جلد ۱۳ — مئی ۱۹۶۷ء — شمارہ ۵

انوار

ماہنامہ میثاق لاہور

★

زیر سرپرستی

مولانا امین احسن اصلاحی

★

مدیر مسئول

اسرار احمد

★

یکے از مطبوعات

دار الاشاعت الاسلامیہ

امرت روڈ، کرشن نگر، لاہور ۱

قیمت فی پرچہ ۷۵ پیسے

Regd. No. L. 7360.

Monthly "MEESAAQ" Lahore

Vol. 13	MAY 1967	No. 5

أعوذ بالله من الشيطان الرجيم
بسم الله الرحمن الرحيم

حَتّٰى

یہاں تک کہ

إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ

جب وہ اپنی پوری پختگی کو پہنچتا ہے

وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً

اور چالیس برس کا ہو جاتا ہے

قَالَ

تو کہتا ہے کہ

رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلَىٰ وَالِدَيَّ

اے میرے پروردگار! مجھے توفیق دے کہ میں ان نعمتوں کا شکر ادا کروں جو تو نے مجھ پر اور میرے والدین پر کیے

وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ

اور ایسے نیک اعمال کروں جو تجھے پسند ہوں

وَأَصْلِحْ لِي فِي ذُرِّيَّتِي

اور میری اولاد کو میرے لیے بھلائی کا ذریعہ بنا

إِنِّي تُبْتُ إِلَيْكَ وَإِنِّي مِنَ الْمُسْلِمِينَ

میں تیری طرف رجوع کرتا ہوں — اور — میں فرمانبرداروں میں سے ہوں!

(سورۂ احقاف - آیت ۱۵)

بڑے بھائی کی خدمت میں — چالیسویں سالگرہ کے موقع پر

منجانب —— خاکسار اسرار احمد عفی عنہ

محی الدین پبلشر نے باہتمام محمد طفیل مالک نقوش پریس اردو بازار لاہور سے چھپوا کر دار الاشاعت الاسلامیہ، امرت روڈ، کرشن نگر، لاہور ۱ سے شائع کیا۔

وَقَدْ اَخَذَ مِيْثَاقَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

زیر سرپرستی
مولانا امین احسن اصلاحی

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
اسرار احمد

جلد ۱۳ — مئی ۱۹۶۷ء — شمارہ ۵

فہرست

✱ تذکرہ و تبصرہ	اسرار احمد	۲
✱ تدبر قرآن	مولانا امین احسن اصلاحی	
تفسیر سورۂ نساء (۳)		۹
✱ افاداتِ فراہیؒ	خالد مسعود	
اسالیب قرآن		۲۶
✱ مقالہ	حافظ نذر احمد	
پاکستان میں ایک غیر سرکاری اسلامی یونیورسٹی کی ضرورت		۳۲
✱ افکار و آراء		
(۱) علماء کرام کی خدمت میں	ادارہ بینات کراچی	۳۵
(۲) "	ادارہ الرحیم حیدر آباد	۳۹
(۳) ایک مکتوب	ڈاکٹر احمد حسین کمال	۴۱
✱ تقریظ و تنقید	ی س ایچ ، او	۴۷
✱ غزل	مرزا محمد منور	۵۶

خط کتابت اور ترسیل زر کا پتہ
دار الاشاعت الاسلامیہ، امرت روڈ، کرشن نگر، لاہور ۱

قواعد و ضوابط

✱

✱ "میثاق" ہر ماہ کی پانچ تاریخ تک سپرد ڈاک کیا جاتا ہے۔

✱ پرچہ نہ ملنے کی اطلاع زیادہ سے زیادہ بیس تاریخ تک دفتر کو موصول ہوجانی چاہئے ورنہ دوبارہ پرچہ ارسال نہیں کیا جا سکے گا۔

✱

✱ ایجنسی کم از کم پانچ پرچوں پر دی جاتی ہے۔

✱ پرچہ صرف بذریعہ وی پی ارسال ہوگا۔

✱ کمیشن ۲۵ فی صد — محصولڈاک بذمہ میثاق۔

✱

ہندوستانی خریدار

مندرجہ ذیل میں سے کسی ایک جگہ رقوم ارسال کرکے ہمیں مطلع فرماویں :

۱ - دفتر ماہنامہ الفرقان ، کچہری روڈ ، لکھنؤ

۲ - دائرۂ حمیدیہ ، سرائے میر، اعظم گڑھ

✱

قیمت فی پرچہ ۵۰ پیسے
سالانہ زرمبادلہ ساڑھے سات روپے
مشرق پاکستان سے بذریعہ ہوائی ڈاک پندرہ روپے

☐ اس جگہ سرخ نشان کا مطلب یہ ہے کہ اس شمارے کے ساتھ آپ کا زرمبادلہ ختم ہوچکا ہے — آئندہ کے لئے

✱ سالانہ زرمبادلہ مبلغ ساڑھے سات روپے بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمادیں ——— یا

✱ اگر آپ کسی وجہ سے خریداری جاری رکھنا نہ چاہیں تو ہمیں مطلع فرمادیں ——— ورنہ

✱ آئندہ شمارہ آپ کو سالانہ زرمبادلہ اور محصولڈاک کی مالیت کا وی پی ارسال ہوگا اور اس کو وصول کرنے کے آپ اخلاقاً ذمہ دار ہوں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تذکرہ و تبصرہ

جیسا کہ اس سے قبل عرض کیا جا چکا ہے، پاکستان کی قومی قیادت پر عالم نزع تو قیام پاکستان کے فوراً بعد ہی طاری ہو گیا تھا۔ اور وہ خود اپنے داخلی انتشار کی بنا پر، جو بیک وقت نظریاتی بھی تھا اور اخلاقی بھی، ادھ موئی ہو چکی تھی۔ اس پر رہی سہی کسر مولانا مودودی اور جماعت اسلامی کی تند و تلخ تنقیدوں اور عوام کے مذہبی جذبات کے اشتعال نے پوری کر دی اور قیام پاکستان کے بعد چند ہی سالوں کے اندر اندر وہ مسلم لیگ جو اس کے قیام کا ذریعہ بنی تھی نسیاً منسیاً ہو گئی۔

ختم تو مسلم لیگ از خود بھی ہو ہی جاتی لیکن مولانا مودودی نے مسلمانانِ ہند کی قومی جدوجہد کے عین عروج کے موقع پر اس سے علیحدگی اختیار کر کے قوم کے ساتھ جس 'ہمدردی' اور 'خیر خواہی' کا ثبوت دیا تھا، اسی کا لازمی تقاضا غالباً یہ بھی تھا کہ قیام پاکستان کے فوراً بعد وہ اپنی مختصر لیکن منظم جمعیت کو لے کر مسلم لیگ کی سرکوبی کے لئے میدان میں آ جاتے اور اس کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے میں بھی بنفس نفیس شرکت فرماتے! —— لطف یہ ہے کہ اس وقت کی علیحدگی کے لئے تو یہ وجہ جواز پیش کی گئی تھی کہ اسلام کسی بھی 'قوم پرستی' کو جائز نہیں ٹھہراتا چاہے وہ 'مسلم قوم پرستی' ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن بعد از تقسیم 'لیگ دشمنی' اور 'قیادت کشی' کے لئے خود بے تکلف 'مسلم قوم پرستی' کا لبادہ اوڑھ لیا گیا۔ اور 'نظریۂ پاکستان' کے سب سے بڑے علمبردار اور پاکستانی قوم کے سب سے بڑے وکیل بن کر قومی قیادت کا محاسبہ شروع کر دیا گیا!

مولانا کی ذہانت نے یہ اندازہ تو ٹھیک ہی کیا تھا کہ مسلم لیگ کی دم توڑتی ہوئی قیادت پر کاری ضرب لگانے کا یہ بہترین موقع تھا۔ لیکن آئندہ کے بارے میں جو توقعات انہوں نے قائم کی تھیں وہ نرے سہانے خواب ثابت ہوئیں اور قومی قیادت کے میدان سے ہٹنے پر بجائے اس کے کہ جماعت اسلامی کی 'دینی' قیادت کے لئے جگہ خالی ہوتی الٹا 'ریپبلکن'، یونینسٹ اور کانگرسی ذہن میدانِ سیاست پر قابض ہو گیا اور اس نظریۂ پاکستان ہی کی جڑیں کھسکنی شروع ہو گئیں جس پر بعد از تقسیم خود مولانا مودودی اور جماعت اسلامی نے اپنے سیاسی موقف کی بنیاد رکھ دی تھی —— دوسری طرف تحریک

مسلم لیگ نے وقتی طور پر قومی و ملی احساسات کا جو تھوڑا بہت رنگ عوامی طرزِ فکر پر چڑھا دیا تھا اس کے پھیکے پڑتے ہی خالص مفاد پرستی، کنبہ و قبیلہ پروری اور اقربا نوازی کا دور دورہ ہو گیا اور سیاست کے میدان میں بدترین جوڑ توڑ اور سازشوں کا بازار گرم ہو گیا ——

میدان سیاست کے اس اختلال کا لازمی نتیجہ یہ نکلا کہ حکومت سیاسی جماعتوں کے ہاتھوں سے نکل کر رفتہ رفتہ سروسز کے جانب منتقل ہوتی چلی گئی —— تا آنکہ ۵۸ء میں صدر ایوب نے تمام سیاسی جماعتوں کو کالعدم قرار دے کر فوجی حکومت قائم کر دی اور تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے کر ایک طرف حکومت کا پورا نظم و نسق کلیۃً سروسز کے حوالے کر دیا —— اور دوسری طرف بنیادی جمہوریت کے نظام کے ذریعے سیاسی حقوق اور اختیارات کو تدریجاً عوام کے جانب منتقل کرنے کا وہی سلسلہ از سر نو شروع کیا جس پر تقریباً نصف صدی قبل غیر ملکی حکمران عمل پیرا ہوئے تھے —— گویا پاکستان کی عوامی سیاست ایک دم واپس نصف صدی قبل کے مقام پر پہنچ گئی ——!

ملی اور قومی نقطۂ نگاہ سے یہ صورتِ حال یقیناً نہایت تشویشناک اور پریشان کن ہے۔ اور ہر مخلص اور محبِ وطن پاکستانی کو لازماً اس پر سخت مضطرب اور غمگین ہونا چاہیے۔

لیکن اس حقیقت کو ہر آن پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس کا اصل سبب قوم میں سیاسی شعور کی خطرناک حد تک کمی اور ملی و قومی احساسات کا خوفناک حد تک فقدان ہے! کسی ایک یا چند افراد کے سر اس پوری صورتِ حال کی ذمہ داری تھوپ دینا یا سیاسی بے بصیرتی کا شاہکار ہے یا علمی خیانت کا! —— ساتھ ہی یہ موٹی سی بات بھی ہر مخلص پاکستانی کو اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اس کا علاج نہ صدارتی اور پارلیمانی جمہوریت یا بلاواسطہ و بالواسطہ انتخابات کے مسئلوں پر وقتی ہنگامے اٹھانے سے ہو سکتا ہے نہ مینڈکوں کی پنسیری کی طرح کے بالکل انمل بے جوڑ متحدہ محاذوں کے قیام سے ——! اس صورتِ حال کی اصلاح کی صرف ایک صورت ہے اور وہ یہ کہ بالکل فطری طریق پر عوام میں سے کوئی سیاسی جماعت ایسی اٹھے جو مسلسل محنت و مشقت اور پیہم جدّوجہد کے ذریعے ایک طرف ان میں سیاسی شعور اور اپنے بھلے اور برے کی حقیقی پہچان پیدا کرے اور دوسری طرف ایک جزبی تعداد میں ایسے قومی کارکنوں کو تربیت دے کر تیار کرے جو ہر طرح کے مفادات سے صرفِ نظر کر کے خالص اصولوں کے لئے کام کر سکیں اور اپنے مقصد اور نصب العین کے ساتھ

مخلصانہ تعلق اور قوم کی بہتری اور بھلائی کے لئے انتھک محنت و مشقت اور ایثار و قربانی کی صلاحیت رکھتے ہوں ـــــ!

۱۹۵۱ء میں جب کہ مرحوم مسلم لیگ ابھی موت اور زندگی کی کشمکش ہی میں مبتلا تھی، سابق صوبہ پنجاب کے انتخابات میں مولانا مودودی بڑی خود اعتمادی اور آن بان کے ساتھ اور بہت سی امیدیں اور توقعات وابستہ کر کے، انتہائی بلند و بالا اصولوں کے تحت شریک ہوئے ـــ اور اگرچہ اس موقع پر اس "قوم" نے جس کی "سرپرستی" انہوں نے محض از راہِ نوازش اپنے سابقہ موقف کے سارے تانے بانے کی قربانی دے کر اختیار کی تھی، انہیں ایک ایسی دولتی رسید کی جس سے کماحقہٗ ایک بار قیادت و سیادت کا سارا نشہ ہرن ہو گیا ـ تاہم اس اصول کے تحت کہ ع

"پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ!"

وہ اپنے اصولوں میں مسلسل کانٹ چھانٹ اور طریق کار میں متواتر کتر بیونت کر کے انتخابات میں شریک ہوتے رہے ـ لیکن نتیجہ ہر بار الٹا ہی نکلا اور مسندِ حکومت و اقتدار "دو نظراں تول نیڑے" ہونے کے باوجود روز بروز "قدماں تھوں دور" ہوتی چلی گئی۔[1]

---

[1] جماعت اسلامی کے پنجابی کے مشہور شاعر عبداللہ شاکر نے انتخاباتِ پنجاب کے موقع پر ایک نظم کہی تھی جو مرحوم "تسنیم" کے انتخابات نمبر میں شائع ہوئی تھی ـ اس نظم میں میاں ممتاز محمد خاں دولتانہ کو ہدفِ طنز و استہزا بنا کر ان کی شان میں بار بار یہ شعر دہرایا گیا تھا کہ ؎

وزارت پنجاب دی لینی ضرور اے

نظراں تو نیڑے نیڑے قدماں تھوں دور اے!

محض یہ ایک شعر اس بیگانہ خود اعتمادی کی پوری تصویر کشی کر دیتا ہے جو اس وقت جماعتِ اسلامی کے پورے حلقے پر طاری تھی ـــــ یہ دوسری بات ہے کہ بعد میں معلوم ہوا کہ ع

"خواب تھا جو کچھ کہ دیکھا جو سنا افسانہ تھا!"

چنانچہ انتخابات کے بعد میاں صاحب موصوف ہی وزارت علیا کے منصب پر فائز ہوئے اور جماعت جہاں تھی وہیں رہ گئی۔

تاہم درمیانی عرصے میں جب پاکستان کی سیاست کا میدان مسلسل اکھاڑ پچھاڑ اور ری پبلکن پارٹی، عوامی لیگ، اور دوسرے بے شمار نئے اور پرانے سیاسی دھڑوں کی رسہ کشی اور جوڑ توڑ کی آماجگاہ بنا ہوا تھا، آئے دن حکومتیں بن اور بگڑ رہی تھیں اور پوری پاکستانی قوم کی تقدیریں صبح و شام بدل رہی تھیں دھندلی سی ایک امید اس بات کی قائم تھی کہ تلاطم سیاست کے کسی آتار چڑھاؤ اور مدّ و جزر کے دوران کیا عجب کہ اتفاقی واقعات و حوادث کا کوئی ریلا "نئی اسلامی قیادت" کی ایک بار ایوانِ حکومت تک رسائی کی صورت پیدا کر دے، پھر اپنی تنظیمی قوت کے بل پر مزید ترقی و استحکام کی صورتیں پیدا کرنا کچھ مشکل نہ ہو گا ــــ چنانچہ اس زمانے میں اپنی ایک تحریر میں مولانا مودودی نے افتراق و انتشار کے "شگاف" کو خیر کی راہ قرار دیا ـ اور اپنے کچھ مایوس معتقدین کی ہمت یہ کہہ کر بندھانے کی کوشش کی کہ:

"حقیقت میں یہ اللہ کا بڑا فضل ہے کہ اس نے ان لوگوں کے دلوں میں نفاق ڈال کر انہیں آپس میں لڑا دیا ہے ـ خیر کی راہ اب تک بھی اسی شگاف سے نکلی ہے اور آئندہ بھی یہ شگاف جتنا وسیع ہوتا جائے گا خیر کا راستہ بھی کشادہ ہوتا چلا جائے گا . . . . . ."

(ترجمان القرآن، مئی ۱۹۵۸ء: اشارات)

اس اعتبار سے ۱۹۵۸ء کا انقلاب "خیر کی جملہ راہوں" کو ایکبارگی مسدود کرنے کا سبب بن گیا ـ اور دور اُفق پر اُمید کی جو کرن نظر آیا کرتی تھی "دفعتہً" وہ بھی معدوم ہو گئی ـــــ!!

میدانِ سیاست کی ان پے در پے ناکامیوں سے مولانا مودودی پر شکست خوردہ ذہنیت اور رقیبانہ جذبات کا تسلط ہوتا چلا گیا اور نہ صرف ان کے اور ان کی جماعت کے بلکہ ان کے زیرِ اثر ایک بہت بڑے حلقے کے لوگوں کے اعصاب میں دائمی جھنجلاہٹ اور فکر و نظر میں مستقل کجی پیدا ہوتی چلی گئی ـ نتیجۃً قوم کے طبقۂ متوسط کے ایک بہت بڑے حلقے کے لوگوں کا حال یہ ہو گیا کہ ایک طرف تو توازن و استحکام کی حالت میں ان کا دم گھٹنے لگتا ہے اور ملک کے طول و عرض سے کسی بھی قسم کے انتشار و اختلال کی خبر سے ان کے دل کی کلی کھل اٹھتی ہے اور دوسری طرف ہر وہ شخص جو کسی وقت لیلائے اقتدار سے ہم آغوش ہو سراپا بُرائی اور مجسّم شر ہی نہیں بلکہ تمام خرابیوں کا منبع اور ملک و ملت کے سارے مسائل اور تمام مشکلات کا واحد سبب نظر آنے لگتا ہے ـ اور جو کسی بھی ٹوٹی پھوٹی حزبِ مخالف سے تعلق رکھتا ہو قطع نظر اس سے کہ وہ خود ان کے نقطۂ نظر سے ملک و ملت اور مذہب و دین دونوں کے لئے کتنی ہی مضر و مہلک

ہو وہ خیرِ کل نہ سہی جزوی خیر بہر حال بن جاتا ہے — یہی وہ طرزِ فکر ہے جس کے تحت مولانا مودودی ایسے بظاہر ٹھنڈے دل و دماغ کے مالک اور متحمل مزاج و بردبار انسان کے منہ سے ایسے غیر متوازن جملے نکلتے ہیں کہ : ایک طرف ایک مرد ہے جس میں سوائے اس کے کہ وہ مرد ہے اور کوئی خوبی نہیں، اور دوسری طرف ایک عورت ہے جس میں سوائے اس کے کہ وہ عورت ہے اور کوئی عیب نہیں —!

جذبۂ رقابت کی یہ فراوانی — بلکہ طغیانی اس صورت میں بھی مضر ہوتی اگر مولانا صرف ایک سیاسی لیڈر ہوتے — لیکن ان کی اس حیثیت نے کہ وہ ایک دینی جماعت کے سربراہِ اعلیٰ اور خصوصاً سیاست کے میدان میں اسلام کے تنہا اجارہ دار بھی ہیں اس صورتِ حال کو اسلام کے لئے سخت خطرناک بنا کر رکھ دیا ہے!!

جس کی سنگینی میں مزید اضافہ اس امر سے ہو گیا ہے کہ اگرچہ ادھر ایک عرصے سے مولانا مودودی اور جماعتِ اسلامی کا کوئی باقاعدہ ربط و ضبط علماء کے ساتھ نہیں ہے اور اب غالباً وہ اپنے سیاسی حوصلوں کی تکمیل کے لئے علماء سے اتحاد کو کوئی اہمیت بھی نہیں دیتے بلکہ اس کے برعکس ایک عرصے سے ان کی ساری نشست و برخاست ان خالص سیاسی لوگوں کے ساتھ ہے جن کی ایک عظیم اکثریت کو (الا ماشاء اللہ) دین و مذہب سے عملی لگاؤ تو دور رہا کوئی عقلی و قولی مناسبت بھی نہیں ہے۔ — تاہم یہ ایک امر واقعی ہے کہ ایک طرف مولانا اور جماعتِ اسلامی علماء کرام کی جدید تعلیم یافتہ طبقے اور خصوصاً اس کی مغرب پرستانہ ثقافت اور طرزِ بود و باش سے بیزاری کو اپنے سیاسی مقاصد کے لئے استعمال کرتے ہیں — اور دوسری طرف علماء کرام بھی خالص دینی اعتبار سے خود مولانا سے شدید بیزار ہونے اور ان کے بعض نظریات کو شدید نوعیت کی ضلالت و گمراہی سمجھنے کے باوجود سیاسی میدان میں ان کے مذہبی رول کو بنظرِ استحسان دیکھتے ہیں — بلکہ ان کے ایک طبقے نے تو گویا اس معاملے میں جماعتِ اسلامی کی بے ضابطہ قیادت کو عملاً قبول کر لیا ہے — اس طرح اگرچہ اس وقت کوئی باقاعدہ مذہبی کیمپ یا دینی محاذ تو موجود نہیں ہے۔ تاہم مختلف دینی حلقوں اور مذہبی طبقوں کے مابین اتحاد و اتفاق کے مظاہرے وقتاً فوقتاً ہوتے رہتے ہیں جو اس اعتبار سے تو بہت خوش آیند نظر آتے ہیں کہ ان میں اتحاد و اتفاق کی جھلک نظر آتی ہے۔ لیکن چونکہ اس اتحاد کی بنیاد کسی مثبت تعمیری جذبے کے بجائے خالص منفی طرزِ فکر پر ہے۔ لہٰذا درحقیقت اسلام اور پاکستان میں اس کے مستقبل کے نقطۂ نظر سے نہ صرف یہ کہ اس میں افادیت کا کوئی

پہلو نہیں ہے، بلکہ الٹا مضرت و نقصان کا شدید احتمال موجود ہے! اور یہ بات ہر اس شخص کو اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے جو پاکستان میں اسلام کے مستقبل سے مخلصانہ دلچسپی رکھتا ہو کہ علمائے کرام کے ایک طبقے کا عمومی عدمِ اطمینان اور منفی طرزِ عمل اور جماعتِ اسلامی کی مستقل رقیبانہ جذبات کے ساتھ سیاست کے میدان میں اسلام کی سرپرستی، سے اس ملک میں اسلام کا مستقبل مخدوش ہوتا چلا جا رہا ہے —!

واقعات و حقائق کا صحیح ادراک و شعور صحیح طرزِ عمل کے لئے بمنزلۂ اساس اور درست سمت میں اقدام کے لئے ناگزیر و لابدی ہے۔ پاکستان کا اسلام کے نام پر حاصل کیا جانا بجائے کیسے ہی عظیم مسلمات میں سے ہو، یہ حقیقت اپنی جگہ اٹل اور ناقابلِ تردید ہے کہ یہ ان مسلمانوں کی قومی جدوجہد کے نتیجے میں قائم ہوا ہے جو بقول مولانا مودودی "صدیوں کے توارث کی بدولت" ایک قوم بن گئے ہیں اور جن کی قومیت کی اساس اگرچہ اسلام ہی پر ہے لیکن خود اسلام سے ان کا رشتہ و تعلق محض نسلاً متوارث ہونے والے "مذہب" سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ جن کی اخلاقی حالت کے بارے میں یہ رائے کہ :

"...... یہاں جس قوم کا نام مسلمان ہے وہ ہر قسم کے رطب و یابس لوگوں سے بھری ہوئی ہے، کیریکٹر کے اعتبار سے جتنے ٹائپ کافروں میں پائے جاتے ہیں اتنے ہی اس قوم میں بھی موجود ہیں۔ عدالتوں میں جھوٹی گواہیاں دینے والے جس قدر کافر قوییں فراہم کرتی ہیں غالباً اسی تناسب سے یہ بھی فراہم کرتی ہے۔ رشوت، چوری، زنا، جھوٹ اور دوسرے ذمائم اخلاق میں یہ کسی سے کم نہیں ہے ...."[1]

جتنی آج سے تیس سال قبل درست تھی نہ صرف یہ کہ اتنی ہی بلکہ شومیٔ قسمت سے اس سے بھی کہیں زیادہ آج صحیح ہے!

دین کے ساتھ اس کے حقیقی لگاؤ کا جائزہ لینا ہو تو اولاً عوام کو لیجئے کہ ان کی ایک عظیم اکثریت اس سے ایک سطحی سی عقیدت رکھنے کے سوا نہ اس سے کوئی ذہنی مناسبت رکھتی نہ عملی تعلق یہی وجہ ہے کہ اسلامی نظام کے قیام کے لئے محضرناموں پر دستخط کرنے کے لئے تو یہ ہر وقت تیار ہوتے ہیں

---

[1] مولانا مودودی : مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم

لیکن اپنے ذاتی یا گروہی مفادات کا معاملہ آ جائے تو اسلام کے بڑے سے بڑے احکام کو پس پشت ڈال دینا اور اس کی تمام حدود کو پھلانگ جانا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے!

پھر چونکہ اس ملک کی سیاسی قوت کا سرچشمہ بہر صورت یہی عوام ہیں لہٰذا سیاست کے میدان میں اسلام کا نام خواہ کتنا بھی لیا جاتا ہو اور اس کے کیسے ہی بلند نعرے لگائے جاتے ہوں واقعہ یہ ہے کہ اصل سکہ یہاں یا خالص ذاتی مفاد کا چلتا ہے یا برادریوں اور قبیلوں کی اقتدار طلبی و رسہ کشی کا!

پڑھے لکھے اور تعلیم یافتہ لوگوں کو دیکھئے! جو کسی بھی اجتماعیت کا اصل قوام ہوتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے بنیادی اعتقادات سے ان کے قلوب و اذہان یکسر خالی ہیں۔ اور شعوری یا غیر شعوری طور پر ان کی ایک بہت بڑی اکثریت مغرب کے مادہ پرستانہ الحاد کے نظریات و افکار پر پورا ایمان رکھتی ہے۔ ان میں سے جو جتنا ذہین ہے اتنا ہی مغربی فلسفہ و فکر سے متاثر ہے! اور جو ذرا جری بھی ہے۔ وہ اس کے برملا اعلان اور کھلم کھلا اعتراف میں کوئی باک بھی محسوس نہیں کرتا

پھر چونکہ ان ہی میں سے ملک کی پوری انتظامی مشینری کے کل پرزے نکلتے ہیں اور ان کے نسبتاً ذہین تر افراد ہی سے ملک کے تمام فوجی و سول محکموں کا اصل تانا بانا بنتا ہے۔ لہٰذا فطری طور پر سروسز کا پورا ماحول (الا ماشاء اللہ) مغربی افکار و نظریات اور مادہ پرستانہ و ملحدانہ تہذیب و ثقافت سے تیار ہوا ہے اور فطری طور پر ان میں سے زیادہ جری۔ اور نسبتاً ”تناقض و نفاق“ سے آزاد لوگ اسی ثقافت کی پورے ملک میں ترویج و اشاعت کی کھلم کھلا کوشش میں بھی مصروف ہیں!

ان لوگوں کو ”مٹھی بھر“ اور گنتی کے چند لوگ“ قرار دے کر ان کی اہمیت کو کم کرنے کی کوشش ایک سادہ سی خود فریبی ہے۔ اور اس سے یہ حقیقت مٹ نہیں جاتی کہ اس ملک کی ’ذہین اقلیت‘ (INTELLECTUAL MINORITY) بہرحال یہی ہیں۔ اور ان ہی کے ہاتھ میں اس ملک کی اصل زمام کار ہے!

اور آگے چلئے — اور حقائق کا مواجہہ کرنے کی جرأت پیدا کر کے جائزہ لیجئے تو معلوم ہوگا کہ مغربی افکار و نظریات کا یہ استیلا رخود ان لوگوں کی بھی اکثریت کے ذہنوں پر بتمام و کمال موجود ہے جو یہاں اسلام کے علمبردار اور اسلامی نظام کے قیام کے داعی ہیں۔ ان کی عملی زندگیوں کے عام نقشے اور قول و فعل کے تضاد کو ایک طرف رکھتے ہوئے ان کے تصور دین کا بنظر غائر مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ خود مذہب کا ایک خالص لادینی تصور ان کے ذہنوں میں قائم ہے اور اسلام ان کے نزدیک ”ایک بہترین ضابطۂ حیات“ اور ”جملہ دنیوی مسائل کے بہترین حل“

بقیہ بر صہ ۵۳

تدبر قرآن
امین احسن اصلاحی

تفسیرِ سورۂ نساء

(۳)

۱۰۔ آگے کا مضمون آیات (۲۳-۲۵)

مضمون آیات ۲۳ تا ۲۵

باپ کی منکوحات کے ساتھ نکاح کی ممانعت نے عورتوں میں جو حلال و حرام ہیں ان کے بیان کے لئے راہ ہموار کر دی تاکہ اس پہلو سے معاشرے میں جو گندگیاں اور ناانصافیاں ہیں وہ واضح ہو کر سامنے آ جائیں اور ان کی اصلاح ہو سکے فرمایا۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْأَخِ وَبَنٰتُ الْأُخْتِ وَأُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۖ فَإِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۖ وَحَلَآئِلُ أَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ أَصْلَابِكُمْ ۙ وَأَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۗ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝۲۳ وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوْا بِأَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۚ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۚ إِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۲۴ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۚ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ بِإِيْمَانِكُمْ ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۳۰
فَانْكِحُوْهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ أُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ أَخْدَانٍ ۚ فَإِذَآ أُحْصِنَّ فَإِنْ أَتَيْنَ

بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۭ ذٰلِكَ
لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۭ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ
رَّحِيْمٌ ۝

تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں، تمہاری بیٹیاں، تمہاری بہنیں، تمہاری پھوپھیاں، تمہاری خالائیں، تمہاری بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا، تمہاری رضاعی بہنیں، تمہاری ساسیں اور تمہاری ربیبائیں جو تمہارے گودوں میں پلیں اور تمہاری مدخولہ بیویوں سے ہوں، اگر وہ تمہاری مدخولہ نہ رہی ہوں تو کچھ گناہ نہیں — اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو بیک وقت جمع کرو۔ مگر جو گزر چکا بے شک اللہ غفور رحیم ہے۔
۲۳

اور وہ عورتیں بھی حرام ہیں جو قید نکاح میں ہوں مگر یہ کہ وہ تمہاری ملک یمین بن جائیں۔ یہ تم پر اللہ کا لکھا ہوا فریضہ ہے۔ ان کے ماسوا جو عورتیں ہیں وہ تمہارے لئے حلال ہیں اس طرح کہ تم اپنے مال کے ذریعے سے ان کے طالب بنو، ان کو قید نکاح میں لے کر نہ کہ بدکاری کے طور پر۔ پس ان میں سے جن سے تم نے تمتع کیا ہو تو ان کو ان کے مہر دو فریضہ کی حیثیت سے، مہر کے ٹھہرانے کے بعد جو تم نے آپس میں راضی نامہ کیا ہو تو اس میں کوئی گناہ نہیں بے شک اللہ علیم و حکیم ہے۔
۲۴

اور جو تم میں سے آزاد مومنات سے نکاح کرنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو وہ مومنہ کنیزوں میں سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں ان سے نکاح کرے اور اللہ تمہارے ایمان سے خوب باخبر ہے۔ تم سب ایک ہی جنس سے ہو۔ سو ان سے ان کے مالکوں کی اجازت سے نکاح کرلو، اور دستور کے مطابق ان کو ان کے مہر دو۔ ان کو قید نکاح میں لاکر نہ کہ بدکاری کرنے والیاں اور آشنائی گانٹھنے والیاں ہوں۔ پس جب وہ قید نکاح میں آجائیں تو اگر وہ بدکاری کی مرتکب ہوں تو آزاد عورتوں کے لئے جو سزا ہے اس کی نصف سزا ان پر ہے۔ یہ اجازت تم میں سے ان کے لئے ہے جن کو گناہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو اور یہ کہ تم صبر کرو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اور اللہ غفور رحیم ہے۔
۲۵

۱۱۔ الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ
وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ
الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَاۗىِٕكُمْ وَرَبَاۗىِٕبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَاۗىِٕكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ
بِهِنَّ ۡ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۡ وَحَلَاۗىِٕلُ اَبْنَاۗىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ
وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝

اس آیت میں جو حرمتیں بیان ہوئی ہیں وہ انسانی فطرت کے اس تقاضے پر مبنی ہیں کہ جہاں رحمی رشتے کی قربت قریبہ موجود ہو یا اس سے مشابہت پائی جاتی ہو وہاں باہمی ارتباط کی بنیاد صرف رحم، محبت اور رافت و شفقت کے اعلیٰ جذبات ہی پر ہونی چاہیے۔ اس میں نہ تو نفس کی شہوات و رغبات کی کوئی آمیزش ہونی چاہیے نہ رشک و رقابت کو اس میں خلل انداز ہونے کا موقع دینا چاہیے۔ یہ چیز اس فطرت اصلیہ کے مزاج کے خلاف ہے جس پر خالق کائنات نے انسان کو پیدا کیا ہے۔ اس وجہ سے ان تمام عورتوں سے ازدواجی تعلق کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے جن کو بلا واسطہ یا بالواسطہ رحمی قربت قریبہ حاصل ہے۔

رضاعت کے تعلق کو لوگ ہمارے ہاں اس گہرے معنی میں نہیں لیتے جس معنی میں اس کو لوگ عرب میں لیتے تھے۔ اس کا سبب محض رواج کا فرق ہے۔ ورنہ حقیقت یہی ہے کہ اس کو مادرانہ رشتے سے بڑی گہری مناسبت ہے۔ جو بچہ جس ماں کی آغوش میں اس کی چھاتیوں کے دودھ سے پلتا ہے وہ اس کی پوری نہیں تو آدھی ماں تو ضرور بن جاتی ہے۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے کہ جس کا دودھ اس کے رگ و پے میں جاری و ساری ہے اس سے اس کے جذبات و احساسات متاثر نہ ہوں۔ اگر نہ متاثر ہوں تو یہ فطرت کا بناؤ نہیں بلکہ بگاڑ ہے اور اسلام جو دین فطرت ہے، اس کے لئے ضروری تھا کہ اس بگاڑ کو درست کرے۔

رضاعت کے تعلق کو اس کا صحیح مقام دینے سے معاشرت کو جو فوائد پہنچے ہیں ان کا صحیح اندازہ بھی عام طور پر نہیں کیا جاتا ورنہ حقیقت یہ ہے کہ اس رشتے نے گڈریوں اور چرواہوں کی ماؤں بہنوں کو سرداروں بلکہ تاجداروں کی مائیں بہنیں بنا دیا۔ اس رشتے کی برکت سے دیہاتیوں اور شہریوں، غریبوں اور امیروں کے مابین ایسے روابط قائم ہوگئے جن کو کوئی بھی توڑ نہیں سکتی تھی۔

لیکن یہ ضرور ہے کہ یہ تعلق محض کسی اتفاقی واقعہ سے قائم نہیں ہو جاتا۔ قرآن نے یہاں جن

لفظوں میں اس کو بیان کیا ہے۔ اس سے یہ بات صاف نکلتی ہے کہ یہ اتفاقی طور پر نہیں بلکہ اہتمام کے ساتھ، ایک مقصد کی حیثیت سے عمل میں آیا ہو تب اس کا اعتبار ہے۔ اول تو فرمایا ہے "تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے" پھر اس کے لئے رضاعت کا لفظ استعمال کیا ہے حالانکہ من الرضاعۃ، عربی زبان کا علم رکھنے والے جانتے ہیں کہ 'ارضاع' باب افعال سے ہے جس میں فی الجملہ مبالغہ کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ اسی طرح 'رضاعت' کا لفظ بھی اس بات سے اِبا کرتا ہے کہ اگر کوئی عورت کسی روتے بچے کو بہلانے کے لئے اپنی چھاتی اس کے منہ سے لگادے تو یہ رضاعت کہلائے۔

'ربیبہ' بیوی کی اس لڑکی کو کہتے ہیں جو اس کے سابق شوہر سے ہو۔ اس کو چونکہ خود اپنی لڑکی سے مشابہت حاصل ہو جاتی ہے اس وجہ سے اس کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ ان لڑکیوں کی حرمت بیان کرتے ہوئے ان کو دو صفتوں کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ ایک یہ کہ وہ تمہارے آغوش تربیت میں پلی ہیں دوسری یہ کہ وہ تمہاری مدخولہ بیوی کے بطن سے ہیں۔ یہ دونوں صفتیں حرمت کے حکم کو مؤثر بنانے کے لیے مذکور ہوئی ہیں۔ عربی زبان میں ہر صفت کو لازماً قید و شرط کی حیثیت حاصل نہیں ہو جاتی کہ اگر ان میں سے کوئی نہ پائی جائے تو وہ حکم کالعدم ہو جائے بلکہ اس کا انحصار قرینے پر ہوتا ہے۔ قرینہ بتاتا ہے کہ کون سی صفت قید و شرط کا درجہ رکھتی ہے اور کون سی صفت محض تصویر حال کے لیے ہے۔ یہاں صرف قرینہ ہی نہیں بلکہ تصریح ہے کہ ربیبہ کی ماں اگر تمہاری مدخولہ نہ بنی ہو تو اس ربیبہ سے نکاح میں کوئی قباحت نہیں۔ اس سے یہ بات صاف ہو گئی کہ ربیبہ کی حرمت میں اصل مؤثر چیز اس کی ماں کا مدخولہ ہونا ہے۔ اگر وہ مدخولہ ہے تو اس کی لڑکی سے نکاح ناجائز ہوگا، قطع نظر اس سے کہ وہ آغوش تربیت میں پلی ہے یا نہیں۔ یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ اعلیٰ عربی بالخصوص قرآن حکیم میں اثبات کے بعد نفی کے اسلوب یا نفی کے بعد اثبات کے اسلوب میں جو باتیں بیان ہوتی ہیں وہ محض سخن گسترانہ نہیں ہوتیں بلکہ کسی خاص فائدے کے لئے ہوتی ہیں۔ ان سے مقصود اکثر صورتوں میں رفع ابہام ہوتا ہے۔ اس وجہ سے ان لوگوں کا خیال قرآن کے خلاف ہے جو ربیبہ کے ساتھ نکاح صرف اس صورت میں حرام سمجھتے ہیں جب وہ نکاح کرنے والے کے آغوش تربیت میں پلی ہو۔ بصورت دیگر وہ اس کے ساتھ نکاح کو جائز سمجھتے ہیں۔

جمع بین الاختین کی ممانعت بھی اسی اصول حکمت پر مبنی ہے جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے کہ قرآن حکیم انسانی فطرت کے اس تقاضے کو ابھارنا چاہتا ہے کہ جہاں رحمی رشتے کی قربت قریبہ موجود ہو وہاں باہمی ارتباط کی فطری بنیاد رافت و رحمت ہی ہونی چاہیئے۔ یہ چیز متقاضی ہوئی کہ ان اسباب کو

دبا یا جائے جو رحمی رشتوں کے اندر رشک و رقابت کا زہر گھولنے والے ہوں۔ چونکہ دو بہنوں کے بیک وقت کسی کی قید نکاح میں ہونے کی صورت میں اس کا غالب امکان ہے کہ دو بہنیں، بہنیں ہوتے ہوئے بھی سوکنوں کے جلاپے اور رشک و رقابت کے جذبات میں مبتلا ہو جائیں اس وجہ سے اس کا دروازہ بند کر دیا گیا۔ چونکہ یہی صورت خالہ اور بھانجی، پھوپھی اور بھتیجی کے جمع کرنے کی شکل میں بھی موجود تھی اس وجہ سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسا کہ حدیثوں سے واضح ہے ان کے جمع کرنے کی بھی ممانعت فرمادی۔

صلبی اور متبنیٰ بیٹوں کی بیویوں کے معاملے میں قرآن نے جو فرق کیا ہے اس پر تفصیلی بحث کے لئے موزوں مقام سورۂ احزاب میں آئے گا۔ یہاں صرف اتنی بات یاد رکھیئے کہ بیٹوں کے ساتھ 'من اصلابکم' کی قید نے متبنیٰ بیٹوں کی بیویوں کو اس حکم سے خارج کر دیا۔

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِیْنَ غَیْرَ مُسٰفِحِیْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِیْضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَیْكُمْ فِیْمَا تَرٰضَیْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِیْضَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا (۲۴)

احصان کے معنی کسی شے کو اپنی حفاظت و حمایت میں لینے کے بھی ہیں اور کسی کی حفاظت و حمایت میں ہونے کے بھی۔ اسی سے 'محصنٰت' کا لفظ ہے جو ان عورتوں کے لئے بولا جاتا ہے جو کسی کی قید نکاح میں ہوں۔ نیز یہ لونڈیوں کے مقابل لفظ کی حیثیت سے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اس صورت میں اس کا اطلاق حرائر اور شریف زادیوں پر ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں یہ ان دونوں ہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس آیت میں پہلے معنی میں، بعد والی آیت میں دوسرے مفہوم میں۔

سفح کے لغوی معنی بہانے کے ہیں اسی سے مسافحت ہے جس کے معنی عیاشی اور بدکاری کے ہیں اس لئے کہ اس میں بھی عورت اور مرد دونوں محض تلذذ کو مقصد قرار دے کر اپنا مادۂ منی برباد کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ سابق الذکر محرمات کی فہرست میں وہ عورتیں بھی شامل ہیں جو کسی کی قید نکاح میں ہوں اس لئے کہ کوئی عورت بیک وقت دو مردوں کی زوجیت میں نہیں ہو سکتی۔ صرف ملک یمین اس سے مستثنیٰ ہے، اس کا کسی کی ملکیت میں آجانا اس کے سابق نکاح کو، جو دار الحرب میں ہوا، کالعدم قرار دیتا ہے۔

ان عورتوں کے ماسوا عورتوں سے نکاح جائز ہے، مگر اس کے ساتھ دو شرطیں ہیں اور یہ

دونوں شرطیں بیک وقت مطلوب ہیں۔ ایک یہ کہ نکاح مال یعنی مہر کے ساتھ ہو دوسری یہ کہ اس نکاح سے مقصود عورت کو اپنی حمایت و حفاظت میں لینا ہو نہ کہ وقتی طور پر شہوت رانی کر کے محض ہیجان نفس کو تسکین دے لینا۔

مال اور مہر کی شرط لگانے سے ایک مقصد تو یہ ہے کہ عورتوں کے معاملے میں اکراہ یا توارث کے ان امکانات کا بالکل سد باب ہو جائے جن کی طرف اوپر اشارہ گزرا۔ ہرچند اس کا بہت کچھ سد باب رضاعی رشتوں کو حرام قرار دینے سے بھی ہو گیا تھا۔ لیکن اس شرط نے اس کو اور بھی مسدود کر دیا۔ دوسرا مقصد یہ ہے کہ نکاح کے معاملے کو ایک سنجیدہ معاہدے کی حیثیت حاصل ہو جائے اس کو بچوں کا کھیل نہ بنایا جا سکے۔ جس معاملے کے ساتھ ادائے مال کی شرط لگی ہو اور اس ادائے مال کی حیثیت محض ایک تبرع اور احسان کی نہ ہو بلکہ ایک فریضہ کی ہو۔ یہاں تک کہ اگر وہ مذکور نہ بھی ہو جب بھی لازماً مقرر سمجھا جائے اور عورت کی حیثیت عرفی کے اعتبار سے اس کی ادائیگی واجب قرار پائے، شرعاً و عرفاً ایک اہم اور سنجیدہ معاملہ بن جاتا ہے۔ کوئی ذی ہوش آدمی بھی ایسے معاہدے میں ایک پارٹی بننے کی جرأت نہ کرے گا جب تک وہ سو بار سوچ کر اس میں شرکت کی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار نہ کرے ——— ان مصالح سے مہر کی شرط ضروری ہوئی۔ جن لوگوں کی نظر ان مصالح کی طرف نہیں گئی وہ سمجھتے ہیں کہ اس شرط نے عورت کو ایک خریدنی و فروختنی شے کے درجے تک گرا دیا ہے۔ یہ خیال محض ناسمجھی کا نتیجہ ہے۔ یہ شرط تو ایک آگاہی ہے کہ جو بھی عورت کے حرم میں قدم رکھنا چاہے وہ اچھی طرح سوچ سمجھ کر قدم رکھے۔ نکاح و طلاق کے معاملے میں کسی مذاق کی گنجائش نہیں ہے یہاں ہزل بھی وجد کی حیثیت رکھتا ہے۔

ہشدار کہ رہ بر دم تیغ است قدم را

'احصان' کی شرط اس لئے لگائی ہے کہ نکاح کو 'سفاح' سے ممیز کر دیا جائے۔ نکاح کا اصل مقصد اس شکل میں پورا ہوتا ہے جب اس کے ساتھ 'احصان' پایا جائے یعنی ایک مرد ایک عورت کو سنجیدہ ارادے اور زندگی بھر کے سنجوگ کے عزم کے ساتھ اپنی حفاظت و حمایت میں لے اور عورت اسی شعور و ارادے کے ساتھ اس کے حصن حمایت میں داخل ہو۔ اس احصان کے بغیر عورت اور مرد کے تعلق سے وہ مقصد پورا نہیں ہو سکتا جو قدرت نے اس سے پورا کرنا چاہا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی عورت سے ایک وقتی اور عارضی تعلق پیدا کرتا ہے تو گو اس کے لئے اس نے نکاح کی رسم بھی پوری کی ہو اور اس کو مال بھی دیا ہو لیکن احصان نہیں ہوا۔ یہ محض پیشاب کرنے کے لئے ایک پیشاب خانہ تلاش کیا گیا ہے

جس سے مقصود محض وقتی طور پر مثانے کے بوجھ کو ہلکا کر لینا ہے۔ قرآن نے یہ شرط لگا کر متعہ کے اس مکروہ رواج کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دیا جو جاہلیت میں رائج تھا۔

آگے فرمایا کہ مقرر شدہ مہر ایک فریضہ کی حیثیت سے ادا کیا جائے۔ البتہ مہر کے مقرر کرنے کے بعد میاں بیوی باہمی رضامندی سے اگر اس میں کوئی کمی بیشی کر لیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ آخر میں علیم و حکیم کی صفات کا حوالہ اس قانون کی عظمت اور حکمت کے اظہار کے لئے ہے کہ جس نے یہ قانون اتارا ہے وہ علیم و حکیم ہے اس وجہ سے اس کی ہر بات بے خطا علم اور اتھاہ حکمت پر مبنی ہے۔ دوسروں کے لئے نہ یہ جائز ہے کہ اس کی خلاف ورزی کریں، نہ یہ جائز ہے کہ اس میں ترمیم و اصلاح کی کوشش کریں۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (۲۵)

'طَوْل' کے معنی قدرت، غنیٰ اور فضل کے ہیں۔

'واللّٰہ اعلم بایمانکم' یعنی عزو شرف کی اصل بنیاد ایمان پر ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک عورت لونڈی ہوتے ہوئے اپنے ایمان کے اعتبار سے بڑے بڑے شریف زادوں اور شریف زادیوں پر فوقیت حاصل کرے۔ اس وجہ سے مجرد اس خیال کی بنا پر کہ ایک عورت لونڈی ہے اس کے اندر شرف کے امکان کے اس پہلو کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے۔ اور ایمان ایک ایسی چیز ہے جس کے ناپنے اور تولنے کا حقیقی پیمانہ اللہ ہی کے پاس ہے، دوسرے اس کا صحیح صحیح اندازہ نہیں کر سکتے۔

'بعضکم من بعض' میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لونڈی اور غلام ہونا تو ایک حالت عارضی ہے۔ نسل کے اعتبار سے تو جتنے غلام اور آزاد اور جتنی باندیاں اور بانیاں ہیں سب ایک ہی آدم اور ایک ہی حوا کی نسل سے ہیں۔

'فاحشۃ' سے مراد زنا ہے۔ اس کی تنکیر اظہار کراہت و نفرت کے لئے ہے جیسا کہ اسی سورہ کی آیت ۱۹ میں لفظ 'بفاحشۃ' آیا ہے۔ وہاں ہم اس نکتہ کی وضاحت کریں گے۔ 'عنت' کے معنی زحمت

ومشقت کے ہیں لیکن اس کا استعمال ایسی زحمتوں اور مشقتوں کے لئے ہوتا ہے جو آدمی کے لئے وجہ ابتلا اور مزلہ قدم بن جائیں۔

آیت کا مدعا یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شریف زادی سے نکاح کی قدرت نہیں رکھتا تو وہ کسی مسلمان لونڈی سے نکاح کرے۔ عزت وشرافت کی اصل بنیاد ایمان ہے اور ایمان کا حال صرف اللہ کو معلوم ہے۔ جہاں تک جنس ونسل کا تعلق ہے، اس اعتبار سے سب ایک ہی ہیں اس لئے کہ سب ایک ہی آدم وحوا کی اولاد ہیں۔ پس لونڈی سے نکاح میں کوئی حرج نہیں ہے البتہ یہ شرط ہے کہ یہ نکاح ان کے مالکوں کی اجازت سے ہو اور ان لونڈیوں کو دستور کے مطابق مہر دیا جائے۔ نیز یہ لونڈیاں بھی قید احصان کی پابند ہو کر رہیں محض وقتی تلذذ اور یاری آشنائی پیش نظر نہ ہو۔ اس قید احصان میں آجانے کے بعد اگر یہ زنا کی مرتکب ہوں تو سورہ نور میں جو سزا شریف زادیوں کے لئے بیان ہوئی ہے یعنی سو کوڑے اس کی نصف سزا ان کو بھی دی جائے گی۔

آخر میں فرمایا کہ لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرنے کی یہ اجازت ان لوگوں کے لئے ہے جنہیں یہ اندیشہ ہو کہ اگر انہوں نے کہیں نکاح نہ کیا تو وہ مبتلائے معصیت ہو جائیں گے جو لوگ اپنے آپ کو قابو میں رکھ سکتے ہوں ان کے لئے صبر ہی بہتر ہے۔

یہ خیال ہم اس سے پہلے کئی مقامات میں ظاہر کر چکے ہیں کہ غلام اور لونڈیاں اسلام کے اپنے نظام معاشرت کا کوئی جزو نہیں ہیں بلکہ یہ چیز اس وقت کے بین الاقوامی حالات اور اسیران جنگ کے مسئلے کے ایک حل کی حیثیت سے پہلے سے موجود تھی جس کو اسلام نے گوارا کر لیا۔ اسلام اس کو اگر یکطرفہ طور پر پہلے ان ختم کر دیتا تو اس سے مسلمانوں کے معاشرے کے اندر بھی نہایت سخت قسم کی افراتفری پھیل جانے کا اندیشہ تھا اور دشمن قومیں بھی اس سے غلط قسم کا فائدہ اٹھا سکتی تھیں اس کو مکمل طور پر ختم کر دینے کے لئے ضروری تھا کہ پہلے بین الاقوامی سطح پر لوگوں کے اندر انسانی مساوات کا شعور بیدار ہو چنانچہ اسلام نے خود اپنے نظام میں ایسے قواعد وضوابط رکھ دیے جن سے اس پست حال طبقہ سے متعلق لوگوں کے اندر انسانی مساوات کا شعور بھی بیدار ہو اور بالتدریج یہ ذہنی اور اخلاقی اعتبار سے اتنا بلند ہو جائے کہ اسلامی معاشرے میں اپنا صحیح مقام حاصل کرے۔

مکاتب اور ام الولد وغیرہ کے مسئلے پر ہم دوسرے مقام پر بحث کرتے ہوئے لکھ چکے ہیں کہ اس طرح اسلام نے تمام ذی صلاحیت غلاموں اور لونڈیوں کی آزادی کی ایک نہایت کشادہ راہ کھول دی تھی اب اس آیت پر غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ اس میں اس پست حال طبقے کے بلند کرنے کے لئے

نہایت اہم حقائق کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

پہلی چیز تو یہ ہے کہ مسلمانوں کو یاد دلایا ہے کہ عزت وشرف کی بنیاد ایمان واسلام پر ہے اور یہ چیز ایسی ہے کہ جس طرح ایک آزاد اس سے بہرہ ور ہو سکتا ہے اسی طرح ایک غلام بھی ہو سکتا ہے۔ رہا نسل ونسب کا معاملہ تو اس اعتبار سے آزاد وغلام بلکہ تمام انسان برابر ہیں پھر یہ حقیر کیوں سمجھے جائیں؟

دوسری یہ چیز ہے کہ لونڈیوں کے لئے بھی مہر اور احصان کی وہی شرطیں مقرر ہوئیں جو آزاد عورتوں کے لئے تھیں تاکہ سوسائٹی کے اندر ان کا معیار اونچا ہو۔

ارتکاب زنا کی صورت میں ان کے لئے بھی سزا مقرر ہوئی تاکہ بالتدریج ان کا اخلاقی معیار سوسائٹی کے معیار پر آجائے۔ سزا میں ان کے لئے آزاد عورتوں کے بالمقابل جو رعایت رکھی گئی اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کو وہ تحفظ حاصل نہیں تھا جو قدرتی طور پر خاندانی عورتوں کو حاصل تھا۔

دوسرے مالکوں کی لونڈیوں کے ساتھ مسلمانوں کو نکاح کی اجازت دی گئی اور اس سے بھی مقصود لونڈیوں کے معاشرتی معیار کو اونچا کرنا تھا لیکن چونکہ اس صورت میں حقوق ملکیت اور حقوق نکاح میں تصادم کے اندیشے تھے اس وجہ سے اس طرح کے نکاح میں احتیاط کی تاکید فرمائی گئی۔

اس آیت کے تعلق سے ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ یہ آیت سورہ نور کی بیان کردہ حد زنا کو ہر قسم کے زانیوں کے لئے، شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ، عام کر دیتی ہے تو زنا کے لئے رجم کی سزا کا ماخذ کیا ہے؟ اس سوال پر انشاء اللہ ہم سورۂ مائدہ اور سورۂ نور میں بحث کریں گے۔

۱۲- آگے کا مضمون، آیات ۲۶ تا ۲۸

معاشرتی اصلاح سے متعلق احکام وہدایات کے بیچ میں یہ تین آیتیں بطور تنبیہ وتذکیر آگئی ہیں۔ جن سے مقصود ایک طرف تو مسلمانوں کو ان احکام کی عظیم قدر وقیمت کی طرف توجہ دلانا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ تمہاری طرف تمام انبیاء وصالحین کی وراثت منتقل کر رہا ہے تو اس کی سچی دل سے قدر کرو اور رحمت الٰہی کے مستحق بنو، دوسری طرف اس طوفان مخالفت سے آگاہ کرنا ہے جو ان اصلاحات کی مخالفت میں اس مفاد پرست طبقہ کی طرف سے اٹھ رہا تھا جو یتیموں، بیواؤں، کمزوروں اور غلاموں کے حقوق پر غاصبانہ تسلط جمائے بیٹھا تھا اور کسی طرح بھی اپنے اس تسلط سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں تھا۔ اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمایئے۔

يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمۡ وَيَهۡدِيَكُمۡ
سُنَنَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ وَيَتُوۡبَ عَلَيۡكُمۡ ؕ
وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌ حَكِيۡمٌ ۝۲۶ وَاللّٰهُ يُرِيۡدُ اَنۡ يَّتُوۡبَ
عَلَيۡكُمۡ وَيُرِيۡدُ الَّذِيۡنَ يَتَّبِعُوۡنَ الشَّهَوٰتِ اَنۡ
تَمِيۡلُوۡا مَيۡلًا عَظِيۡمًا ۝۲۷ يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّخَفِّفَ عَنۡكُمۡ ۚ
وَخُلِقَ الۡاِنۡسَانُ ضَعِيۡفًا ۝۲۸

اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ تم پر اپنی آیتیں واضح کر دے اور تمہیں ان لوگوں کے طریقوں کی ہدایت بخشے جو تم سے پہلے ہو گزرے ہیں اور تم پر رحمت کی نگاہ کرے اور اللہ علیم و حکیم ہے ــــ ۲۶ ـ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ تم پر رحمت کی نگاہ کرے اور وہ لوگ جو اپنی شہوات کی پیروی کر رہے ہیں یہ چاہتے ہیں کہ تم راہ حق سے بالکل ہی بھٹک کر رہ جاؤ۔ ۲۷ اللہ چاہتا ہے کہ تم پر سے بوجھ کو ہلکا کرے اور انسان کمزور بنایا گیا ہے ۔ ۲۸

۱۳ - الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

'یرید اللہ لیبین لکم' اور 'واللہ یرید ان یتوب علیکم' کے اسلوب پر غور کیجئے تو دونوں میں ایک نمایاں فرق نظر آئے گا کہ ایک جگہ 'یرید' کے بعد 'ل' ہے اور دوسری جگہ 'ان'۔ یہ فرق بے فائدہ نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ان دونوں اسلوبوں کے تتبع سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ارادہ کا لفظ دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ایک تو قطعی فیصلہ اور حتمی ارادہ کے معنی میں، دوسرے چاہنے کے معنی میں۔ جب پہلے معنی مراد ہوتے ہیں تو اس کے بعد 'ل' آتا ہے اور جب مجرد چاہنے کے معنی میں آتا ہے تو اس کے بعد 'ان' آتا ہے مثلاً

اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُذۡهِبَ عَنۡكُمُ الرِّجۡسَ اَهۡلَ الۡبَيۡتِ - ۳۳ - احزاب
اللہ کا ارادہ تو بس یہ ہے، اے اہل بیت نبی، کہ تم سے ناپاکی کو دور کرے۔
يُرِيۡدُ لِيُطَهِّرَكُمۡ وَلِيُتِمَّ نِعۡمَتَهٗ عَلَيۡكُمۡ - ۶ - مائدہ
ارادہ الٰہی یہ ہے کہ تم کو پاک کرے اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دے
اِنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمۡ بِهَا فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا - ۵۵ - توبہ

اللہ تو بس یہ ارادہ کئے ہوئے ہے کہ اس کے ذریعے سے ان کو دنیا کی زندگی میں عذاب دے۔

اس اسلوب کی وضاحت کے بعد اب زیر بحث آیات کے مطلب پر غور فرمایئے پہلے یہ واضح فرمایا کہ اللہ نے اپنے علم و حکمت سے تمہیں اس مقصد کے لئے منتخب فرمایا ہے کہ تمہارے لیے اپنی آیتیں اور اپنے احکام و ہدایات واضح فرمائے اور انبیاء و صالحین کے ذریعے سے ایمان و عمل صالح کی جو راہیں دنیا کے لئے کھولی گئی تھیں اور جو آب گم کر دی گئی تھیں ان کی تمہیں از سر نو ہدایت بخشے تاکہ تم اللہ کی طرف رجوع کرو اور اللہ تم پر رحمت کی نظر فرمائے۔ اس بات کو ایک فیصلہ الٰہی کی حیثیت سے ظاہر فرمایا ہے اس لئے کہ آخری بعثت کے ذریعے ایک ایسی امت کا برپا کرنا جو پورے دین و شریعت کی حامل اور تمام اولین و آخرین کی وارث ہو پہلے سے اللہ تعالیٰ کی اسکیم میں طے تھا اور سابق انبیاء نے اس کی خبر بھی دے دی تھی اور اس کا برپا ہونا خدا کے علم و حکمت کا مقتضی بھی تھا اس لیے کہ وہ علیم و حکیم اس بات کو پسند نہیں کر سکتا تھا کہ وہ اپنی پیدا کی ہوئی مخلوق کو یوں ہی گمراہی میں بھٹکنے کے لئے چھوڑ دے، اس کی ہدایت کے لئے کوئی انتظام نہ فرمائے۔

اس بات کو ایک حتمی فیصلہ کی حیثیت سے ظاہر کرنے کا مقصد ایک تو مسلمانوں کی حوصلہ افزائی ہے۔ دوسرے اسلام کے ان معاندین و مخالفین کی ہمت شکنی جو ان معاشرتی اصلاحات کی وجہ سے جو اس سورہ میں مذکور ہوئی ہیں بچاڑ کے کانٹے کی طرح مسلمانوں کے پیچھے پڑ گئے تھے۔ معاشرتی اصلاحات کو عام طور پر مفاد پرست طبقہ ٹھنڈے پیٹوں برداشت نہیں کرتا۔ اس وجہ سے یہود و نصاریٰ، مشرکین سب میں ان اصلاحات سے ایک آگ سی لگ گئی۔ جنہوں نے دیکھا کہ ان کی نہ آں کی بے لگام آزادیاں اور بے قید شہوت پرستیوں پر زد پڑ رہی ہے وہ اس ارادے کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے کہ ان تمام اصلاحات کو ناکام کر کے خلق خدا کو پھر اسی تاریکی کے گڑھے میں دھکیل دیں جس سے نجات دینے کے لئے اسلام نے یہ روشنی دکھائی تھی۔ اسی طرح جن لوگوں نے اپنے اوپر اپنی خود ساختہ شریعتوں اور خانہ ساز رسموں اور بدعتوں کے بوجھ لاد رکھے تھے انہوں نے جب دیکھا کہ یہ بوجھ لوگوں کے سر سے اتر رہا ہے اور اصر و اغلال کی غیر فطری بیڑیاں کٹ رہی ہیں تو چیخنے لگے کہ اسلاف کا سارا سرمایہ معرض خطر میں ہے۔ قرآن نے ان سب کے جواب میں مسلمانوں کو بتایا کہ تم ان مخالفوں کی ہفوات کی پروا نہ کرو۔ انبیائے سابقین اور اسلاف صالحین کی اصلی وراثت یہی ہے جو تمہاری طرف منتقل ہو رہی ہے۔ خدا نے تمہیں رحمت سے نوازنا چاہا ہے لیکن یہ اشرار و مفسدین یہ چاہتے ہیں کہ تمہیں اس رحمت سے محروم کر دیں۔ آخری آیت میں یہ اشارہ بھی فرما دیا کہ ان اصلاحات سے جو بیڑیاں کاٹی جا رہی ہیں وہ اسلئے کاٹی جا رہی ہیں کہ یہ غیر فطری اور خود ساختہ تھیں قدرت نے

انسان کو جس فطرت سلیم پر پیدا کیا ہے وہ فطرت ان غیر فطری بوجھوں کی متحمل نہیں ہوسکتی آگے اس سورہ میں آیت ۳۴ سے ان تمام مخافتوں کی تفصیل آرہی ہے۔

۱۴۔ آگے کا مضمون آیات (۲۹-۳۳)

اس ضمنی تذکیر و تنبیہ کے بعد اصلاح معاشرہ ہی سے متعلق احکام و ہدایات کا مضمون پھر شروع ہوگیا اور چند ایسی ہدایات دی گئی ہیں جن سے پچھلی اصلاحات کی تائید و توثیق بھی ہو رہی ہے اور ان اصلاحات کا دائرہ وسیع بھی ہو رہا ہے۔ اس روشنی میں آگے کی آیات کی تلاوت فرمایئے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۲۹ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدْوَانًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ۳۰ إِنْ تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُدْخَلًا كَرِيمًا ۳۱ وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ ۚ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبُوا ۖ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ وَاسْأَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ۳۲ وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ۳۳

اے ایمان والو، اپنے مال آپس میں باطل ذریعے سے نہ کھاؤ مگر یہ کہ کوئی مال باہمی رضامندانہ تجارت کی راہ سے حاصل ہو جائے۔ اور ایک دوسرے کو قتل نہ کرو، اللہ تم پر بڑا مہربان ہے اور جو لوگ تعدی اور ظلم کی راہ سے ایسا کریں گے ہم ان کو جلد ایک سخت آگ میں جھونک دیں گے۔ اور یہ اللہ کے لئے بہت ہی آسان ہے۔ تم جن باتوں سے روکے جاتے ہو اگر ان کے بڑے گناہوں سے تم بچتے رہے تو ہم تم سے تمہاری چھوٹی برائیاں جھاڑ دیں گے اور تمہیں ایک عزت کے مقام میں داخل کریں گے۔ ۲۹-۳۱

جس چیز میں اللہ نے ایک کو دوسرے پر ترجیح دی ہے اس کی تمنا نہ کرو۔ مردوں کو حصہ ملے گا اس میں سے جو انہوں نے کمایا اور عورتوں کو حصہ ملے گا اس میں سے جو

انہوں نے کمایا اور اللہ سے اس کے فضل میں سے حصہ مانگو۔ بے شک اللہ ہر چیز سے باخبر ہے اور ہم نے والدین اور قرابت مندوں کے چھوڑے ہوئے میں سے ہر ایک کے لئے وارث ٹھہرا دیئے ہیں اور جن سے تم نے کوئی پیمان باندھ رکھا ہو تو ان کو ان کا حصہ دو۔ بے شک اللہ ہر چیز سے آگاہ ہے۔ ۳۲-۳۳

۱۵۔ الفاظ کی تحقیق اور جملوں کی وضاحت

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۲۹

اس آیت میں باطل طریقے سے ایک دوسرے کا مال کھانے اور قتل نفس کو حرام ٹھہرایا ہے۔ اور ان دونوں حرمتوں کو ایک ساتھ جمع کر دیا ہے ان کو ایک ساتھ جمع کرنے کی حکمت یہ ہے کہ ان دونوں میں بڑا گہرا رشتہ ہے۔ مال کی حرص اس کے حصول کے جائز و ناجائز طریقوں کی تمیز اٹھا دیتی ہے اور پھر یہ بیماری لوگوں کو اس طرح اندھا کر دیتی ہے کہ اس کے لئے قتل و خون تک نوبت آجاتی ہے۔ سماجی فسادات اور خوں ریزیوں کے اسباب کا سراغ لگایا جائے تو معلوم ہوگا کہ حرص مال کو ان میں سب سے زیادہ دخل ہے۔ اسلام نے ان دونوں چیزوں کے اس گہرے باہمی رشتے کی وجہ سے ایک دوسرے کے مال اور ایک دوسرے کی جان دونوں چیزوں کی حرمت کی یکساں تاکید فرمائی ہے۔ حرمة ماله كحرمة دمه (مومن کا مال بھی اسی طرح محترم ہے جس طرح اس کی جان محترم ہے)

باطل طریقہ سے مراد لین دین، کاروبار اور تجارت کے وہ طریقے ہیں جن میں معاملت کے دونوں فریقوں کی حقیقی رضامندی یکساں طور پر نہیں پائی جاتی۔ بلکہ اس میں ایک کا مفاد محفوظ ہوتا ہے اور دوسرا ضرر یا غرر کا ہدف بنتا ہے۔ قرآن نے اس مفہوم کی طرف خود اشارہ فرمایا ہے چنانچہ باطل طریقے سے ایک دوسرے کے مال کھانے کی نہی کے بعد یہ جو فرمایا ہے کہ الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم، یہ مثبت پہلو سے اسی اجمال کی وضاحت ہے جو پہلے ٹکڑے میں پایا جاتا ہے۔ اس ٹکڑے نے واضح کر دیا کہ معاملت اور لین دین کی بنیاد جب حقیقی باہمی رضامندی پر ہو تب اس سے جو منافع ہوتا ہے وہ جائز ہوتا ہے اور اگر اس میں کوئی دھوکا پایا جاتا ہے یا اس میں ایک فریق کی بے بسی اور مجبوری کو دخل ہے تو اگرچہ وہ بظاہر اس پر راضی بھی ہو لیکن یہ اکل اموال بالباطل کے حکم میں داخل ہے اسی بنا پر معاملت اور تجارت کی وہ تمام شکلیں اسلام میں ناجائز قرار پائیں جن

میں ضرر یا ضرر کا شائبہ ہے۔ ربوا اس کاروبار کی ایک قبیح ترین شکل ہے۔ بقرہ کی تفسیر میں ربوا اور تجارت کے فرق پر ہم جو بحث لکھ آئے ہیں اس پر ایک نظر ڈال لیجئے۔

"ولا تقتلوا انفسکم" بالکل "ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل" کا ہم وزن ٹکڑا ہے یعنی نہ آپس میں ایک دوسرے کا مال ہڑپ کرو نہ ایک دوسرے کو قتل کرو۔ اس کے معنی خودکشی کے لینے کا نہ کوئی موقع و محل یہاں ہے نہ ان الفاظ میں اس مفہوم کی کوئی گنجائش ہے۔ اگر خودکشی کے مفہوم کو ادا کرنا چاہیں گے تو اس کے لئے اسلوب بالکل مختلف ہوگا۔ "انفسکم" کا لفظ اس حقیقت کے اظہار کے لیے ہے کہ جو شخص معاشرہ کے اندر کسی قتل کا مرتکب ہوتا ہے وہ اپنوں ہی کے قتل کا مرتکب ہوتا ہے اس لئے کہ معاشرہ کے تمام افراد اپنے ہی بھائی بند ہیں۔ المسلم اخو المسلم اور المسلمون علیھم اخوۃ کے اصول پر ایک کا قاتل سب کا قاتل ہے۔ اسی وجہ سے قرآن نے ایک کے قاتل کو سب کا قاتل قرار دیا ہے۔

"ان اللہ کان بکم رحیما" درحقیقت علت بیان ہوئی ہے ان ممانعتوں کی جن کا ذکر اوپر ہوا یعنی جب تمہارا رب تمہارے اوپر مہربان اور رحیم ہے تو وہ کس طرح یہ پسند کر سکتا ہے کہ تم ایک دوسرے کے مال ہڑپ کرو اور ایک دوسرے کو قتل کرو۔ رؤف و رحیم رب تو یہی چاہے گا کہ تم آپس میں "رحماء بینھم" بن کر رہو۔ پھر یہیں سے یہ بات بھی نکلی کہ اگر اس کے برخلاف لوگ آپس میں ظلم و عدوان کے مرتکب ہوں تو یہ عین اس کی رافت و رحمت ہی کا تقاضا ہے کہ وہ عدل و انصاف کا ایک ایسا دن لائے جس میں ان لوگوں کو کیفر کردار کو پہنچائے جو اس کے مرتکب ہوئے ہوں۔ چنانچہ آگے والی آیت اسی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔ "ومن یفعل ذلک عدوانا وظلما فسوف نصلیہ نارا وکان ذلک علی اللہ یسیرا" (۳۰)

"ذلک" کا اشارہ ان دونوں ہی چیزوں کی طرف ہے جن کا ذکر اوپر والی آیت میں ہوا ہے۔

"عدوان" اور "ظلم" کے الفاظ جب ایک ساتھ آئیں تو جیسا کہ ہم دوسرے مقام میں لکھ چکے ہیں، یہ گناہ کی دو الگ صورتوں پر دلالت کرتے ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ کوئی شخص زور، زبردستی سے دوسرے کے جان یا مال پر دست درازی کرے، دوسری شکل یہ ہے کہ کوئی شخص دھاندلی سے کسی کا حق واجب ادا نہ کرے بلکہ اس کو دبا بیٹھے۔ پہلی صورت عدوان کی ہے دوسری ظلم کی۔ اگر یہ الگ الگ آئیں تو ایک دوسرے کے مضمون پر حاوی ہو جاتے ہیں۔

"نارا" کا لفظ نکرہ تفخیم کے لئے استعمال ہوا ہے یعنی ایسے لوگوں کو ایک سخت بھڑکتی آگ میں ہم ڈالیں گے۔

"وکان ذلک علی اللہ یسیرا" (یہ اللہ کے لئے بہت آسان ہے) ایک مخفی حقیقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ وہ یہ کہ جو لوگ خدا کو مانتے ہیں لیکن خدا کی صفات عدل و رحم کا صحیح تصور نہیں رکھتے وہ اپنے آپ کو الاؤنس دینے میں بڑے فیاض ہوتے ہیں۔ وہ بڑے بڑے جرائم کرتے چلے جاتے ہیں لیکن یہود کی طرح توقع یہی رکھتے ہیں کہ خدا ان پر بڑا مہربان ہے اس لئے سب بخش دے گا۔ قرآن نے یہود کا قول "سیغفر لنا" جو نقل کیا ہے وہ اسی ذہنیت کی غمازی کر رہا ہے۔ درحقیقت اس قماش کے لوگ شہ تو حاصل کرتے ہیں اس ڈھیل اور مہلت سے جو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ اپنی سنت کے مطابق عطا فرماتا ہے لیکن ان کی حیلہ جو طبیعت آڑ ڈھونڈتی ہے خدا کی رحمت کی۔ حالانکہ خدا رحیم ہے تو آخر وہ ظالموں پر کیوں رحم فرمائے گا۔ اس کی رحمت کے اصلی مستحق تو وہ مظلوم ہیں جو ان کے ہاتھوں زندگی بھر ستائے گئے اور آہ بھی نہ کر سکے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی ذہنیت رکھنے والوں کو خطاب کر کے فرمایا ہے کہ جو لوگ ظلم و عدوان کی زندگی بسر کر رہے ہیں ان کو جہنم میں جھونک دینا خدائے رحیم پر ذرا بھی شاق نہیں گزرے گا اس لئے کہ وہ جس طرح رحیم ہے اسی طرح عادل بھی ہے اور یہ عدل بھی اس کی رحمت ہی کا تقاضا ہے۔

إِن تَجْتَنِبُوا كَبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَنُدْخِلْكُم مُّدْخَلًا كَرِيمًا

"سیئات" کا لفظ چونکہ یہاں "کبائر" کے مقابل میں آیا ہے اس وجہ سے اس سے مراد صغائر یعنی چھوٹے گناہ ہیں۔ جس طرح نیکیاں جن کا حکم دیا گیا ہے بڑی بھی ہیں اور چھوٹی بھی اسی طرح بدیاں جن سے روکا گیا ہے، چھوٹی بھی ہیں بڑی بھی۔ یہ چھوٹا اور بڑا ہونا اگرچہ حالات اور نسبتوں کے بدلنے سے تبدیل بھی ہوتا رہتا ہے اس وجہ سے ان کی منطقی حد بندی ذرا مشکل ہے تاہم یہ ایسی چیز نہیں جس کا سمجھنا دشوار ہو۔ جس طرح ہجرت اور جہاد بھی نیکی ہے اور راستے سے کسی تکلیف دہ چیز کو دور کر دینا بھی نیکی ہے لیکن دونوں میں بڑا فرق ہے اور اس فرق کو ہر شخص سمجھتا ہے اسی طرح کسی کا گھر لوٹ لینا بھی برائی ہے اور راستے میں کوئی گندی چیز پھینک دینا اور کسی غلط جگہ تھوک دینا بھی برائی ہے لیکن دونوں برائیوں میں آسمان و زمین کا فرق ہے اور اس فرق کو بھی ہر شخص سمجھتا ہے۔ درحقیقت نیکیوں اور بدیوں دونوں کی بڑائی چھٹائی کے ناپنے کے لئے پیمانہ ان کے اثرات و نتائج ہیں۔ اگر ہماری نگاہ دوررس ہو اور ہم خواہشات نفس کی جانبداری سے بالاتر ہو کر حقائق پر غور کریں تو اس کے سمجھنے میں کوئی التباس پیش نہیں آ سکتا۔ لیکن بسا اوقات ہوتا یہ ہے کہ عقل پر خواہشات نفس کا ایسا غلبہ ہو جاتا ہے کہ پربت رائی بن جاتا ہے اور رائی پربت۔ شریعت نے اس التباس سے بچنے کیلئے حرام بھی واضح کر دیے اور حلال بھی۔ لیکن ان کے درمیان کچھ چیزیں ایسی بھی ہیں جن کے بارے میں التباس پیش آ سکتا ہے۔ ایسی چیزوں کے باب میں تقویٰ کا تقاضا تو

یہی ہے کہ آدمی احتیاط کے پہلو کو اختیار کرے لیکن اگر بشری کمزوری سے کوئی غلطی ہو گئی تو حدود حرام و حلال کے ملحوظ رکھنے والے کے دل پر اللہ تعالیٰ اس کا میل جمنے نہیں دیتا۔

اس آیت میں اس حقیقت کو واضح فرمایا ہے کہ خدائی گرفت سے بچنے اور اس کی جنت میں داخل ہونے کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ اپنے آپ کو بڑی فراخدلی سے الاؤنس دیتے چلو بلکہ اس کا راستہ یہ ہے کہ جن چیزوں سے اس نے روکا ہے ان کے کبائر سے پرہیز رکھو اگر کبائر سے پرہیز رکھو گے تو صغائر کو وہ اپنے فضل و رحمت سے خود دور فرما دے گا ورنہ کبائر و صغائر سب تمہارے اعمال نامے میں درج ہوں گے اور سب کا تمہیں حساب دینا ہوگا

یہاں یہ حقیقت بھی یاد رکھنی چاہیئے کہ صغائر سے بچنے کی راہ بھی یہی ہے کہ آدمی کبائر سے اجتناب کرے۔ جو آدمی اپنے ہزاروں کے قرضے چکاتا رہتا ہے وہ اس بات پر کبھی راضی نہیں ہوتا کہ کسی کے پانچ روپے دبا کر نادہندہ کہلانے کی ذلت گوارا کرے۔ برعکس اس کے جو لوگ کبائر کے مرتکب ہوتے ہیں لیکن چھوٹی چھوٹی نیکیوں کا بڑا اہتمام کرتے ہیں ان کا حال زندگی بھر یہ رہتا ہے کہ مچھر کو چھانتے رہتے ہیں اور اونٹ کو نگلتے رہتے ہیں۔ دوسروں کو تو یہ زیرے اور سونف تک کی زکوٰۃ کا حساب سمجھاتے ہیں لیکن خود یتیموں کے مال اور اوقاف کی آمدنیوں سے اپنی کوٹھیاں بنواتے اور ان کو سجاتے ہیں۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۚ
وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ۳۲

معاشرے میں بے شمار کشمکشیں اس وجہ سے پیدا ہوتی ہیں کہ لوگ اس بات سے واقف نہیں ہوتے کہ کون سا میدان قسمت آزمائی اور جد و جہد کا ہے اور کون سا نہیں ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غلط ارمان اور ایک اندھا بہرا حوصلہ لوگوں کو ایسے میدانوں میں ڈال دیتا ہے جن میں آدمی کی ساری جد و جہد اور اس کی تمام قابلیت و صلاحیت ایک لاحاصل تصادم اور ایک بے فائدہ تنازع کی نذر ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بعض لوگوں کو ان کی خلقی صفات کے لحاظ سے بعض لوگوں پر ترجیح دی ہے۔ مثلاً بعض کو خوبصورت پیدا کیا، بعض کو بدصورت، بعض کو سلیم الاعضا پیدا کیا بعض کو ناقص الاعضا، بعض کو امیر گھرانوں میں پیدا کیا بعض کو غریب گھرانوں میں۔ ظاہر ہے کہ یہ چیزیں خلقی ہیں۔ ان میں مقابلے اور تنافس کی لاگ ڈانٹ تلخی اور ناگواری کے سوا اور کچھ نہیں دے سکتی۔ اسی طرح کسی کو مرد بنایا کسی کو عورت۔ یہ چیز بھی خلقی ہے۔ اگر عورت مرد بننے کی کوشش کرے یا مرد، عورت، تو یہ بھی نری حماقت ہے بلکہ بغاوت ہے۔ اس خدا نے اپنے قانون میں ہر ایک کے لئے حدود و حقوق معین کر دیئے ہیں، یہ حقوق و حدود فطرت اور حکمت پر مبنی ہیں اب اگر مساوات طلبی کے غلط جذبے کے جوش میں ان حقوق اور حدود کو لانگھنے کی کوشش کی جائے، عورت چاہے کہ مجھے مرد کے برابر حصہ ملے، اقربا چاہیں کہ

سب کا ایک ہی درجہ قرار پائے تو یہ بھی فطرت اور خدا کی حکمت سے جنگ ہے جس کا نتیجہ اس کے سوا کچھ نہیں نکل سکتا کہ سارا نظام تلپٹ ہو کر رہ جائے۔

آج دنیا میں جو ابتری و انتشار، جو تصادم و تنافس اور جو قتل و نہب ہے زیادہ تر اسی غلط اندیشی اور خدا ناشناسی کا نتیجہ ہے۔ قرآن نے اس آیت میں یہی بتایا ہے کہ تنافس کا میدان خلقی صفات یا فطری ترجیحات کا نہیں بلکہ اکتسابی صفات کا میدان ہے۔ یہ میدان نیکی، تقویٰ، عبادت، ریاضت، توبہ، انابت، یا جامع الفاظ میں ایمان و عمل صالح کا میدان ہے۔ اس میں بڑھنے کے لئے کسی پر کوئی روک نہیں ہے۔ مرد بڑھے وہ اپنی جد و جہد کا پورا پورا ثمرہ پائے گا، عورت بڑھے، وہ اپنی سعی کا پھل پائے گی۔ آزاد، غلام، بالو، باندی، شریف، وضیع، اعمیٰ، بصیر سب کے لئے یہ میدان یکساں کھلا ہوا ہے۔ اگر کسی میں کچھ فطری اور خلقی رکاوٹیں ہیں تو اس کی کسر کا جبر بھی یہاں موجود ہے۔ خدا نے خلقی طور پر جو فضیلتیں بانٹی ہیں ان سے ہزاروں اور لاکھوں درجے زیادہ اس کا فضل یہاں ہے تو جو فضیلت کے طالب ہیں وہ اس میدان میں اتریں اور خدا کے فضل کے طالب بنیں۔ (واسئلوا اللہ من فضلہ) دینے والا سب کی طلب، سب کے ذوق و شوق اور سب کی نیت اور سب کے اخلاص سے واقف ہے اور اس کے خزانے میں نہ کمی ہے، نہ وہ دینے میں بخیل ہے۔ تو غلط میدان میں اپنی محنت برباد کرنے سے کیا حاصل ہے؟ جس کو قسمت آزمائی کرنی ہو وہ اس میدان میں کرے وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۚ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ
فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ۳۳

لفظ 'مولیٰ' عربی میں بہت وسیع معنوں میں آتا ہے۔ زیادہ تر اس کا تعین موقع و محل اور قرینے سے ہوتا ہے۔ یہاں قرینہ دلیل ہے کہ اس سے مراد ہر مورث کے ورثہ ہیں۔

اس آیت میں اشارہ تقسیم وراثت کے اس ضابطے کی طرف ہے جو آیت ۷ میں مذکور ہے۔ للرجال نصیب مما ترک الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترک الوالدان والاقربون الآیۃ۔ اس حوالے سے مقصود اس کو مزید مؤکد کرنا ہے کہ ہر مورث کے جو وارث خدا نے ٹھہرا دئے ہیں وہی اصلی وارث ہیں اب ان میں اپنے ذاتی رجحانات کی بنا پر نہ کسی ترمیم و تبدیلی کی گنجائش ہے اور نہ ان کے مقررہ حصوں میں کسی کمی بیشی کی۔ اگر کسی نے کسی غیر وارث سے کچھ دینے دلانے کا وعدہ کر رکھا ہے تو اس کو وہ حصہ دے جو اس کا ہے یہاں 'عقد' سے مراد ظاہر ہے کہ وہی حصہ ہو سکتا ہے جس کی مورث کو وصیت کی اجازت ملی ہوئی ہے اور جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی تقسیم سے علیحدہ کر رکھا ہے۔ یہ حصہ درحقیقت ایسے ہی لوگوں کیلئے خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے چھوڑا گیا ہے اس وجہ سے اس کے لئے نصیبہم کا لفظ استعمال ہوا۔ آخر میں اپنی صفت 'علیٰ کل شیءٍ شہیدا' کا حوالہ بطور تنبیہ دیا ہے کہ بیجا جانبداری کی کوئی مخفی کوشش بھی اللہ کے علم سے مخفی نہیں رہ سکتی۔ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر اور ہر چال و ڈھنگ سے آگاہ ہے۔

افاداتِ فراہیؒ
خالد مسعود

اسالیبِ قرآن

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے : وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِیٍّ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِہٖ (ہم نے جس نبی کو بھی بھیجا وہ اپنی قوم کی زبان ہی کے ساتھ آیا) زبان کا معاملہ یہ ہے کہ یہ محض الفاظ پر مشتمل نہیں ہوتی بلکہ اس کو جاننے کے لئے قوم کے اسالیبِ کلام اور اشارات کو بھی سمجھنا ضروری ہوتا ہے۔ اسالیب کا فن لغت ہی کی ایک شاخ ہے مگر ان دونوں میں یہ فرق بھی ہے کہ لغت کا فن مادی ہے جب کہ اسالیب کا فن صوری ہے ۔ اس کا موقع علم نحو کے بعد ہے کیونکہ یہ اس کی تکمیل کرتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس کو فنِ معانی کا نام بھی دیا ہے اور یہ حقیقت کے مطابق ہے ۔ دوسروں پر معاملہ کچھ الجھ گیا اور انہوں نے اسے فن بلاغت کا ایک جز قرار دیا ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیر محل میں آکر اس کا حق ادا نہ ہو سکا ۔ اگر فن معانی ہی کو صحیح طریقہ پر مرتب کیا جاتا تو اس غیر ضروری تکلیف کی ضرورت نہ رہتی ۔ علامہ عبدالقاہر جرجانی نے اپنی کتاب " دلائل الاعجاز " اسی فن معانی کی خاطر تصنیف کی ۔ ان کا یہ خیال تو غلو پر مبنی ہے کہ قرآن کا اعجاز صرف اسی پہلو سے ہے ، مگر فن معانی کی اہمیت کو بڑھا چڑھا کر ظاہر کرنے میں وہ حق بجانب ہیں ۔ اگر بعد کے لوگ ان کے چھوڑے ہوئے کام کو مکمل کر دیتے اور منتج کر واضح کر دیتے تو یہ فن زبان فہمی کے لئے ایک عظیم چیز بن جاتا ، بلاغت کو سمجھنے کا ایک قریب ترین ذریعہ ہوتا اور قرآن کے مطالب اور اس کے اعجاز کو جاننے کا ایک مفید وسیلہ ہوتا۔

.... اصولیوں کے ہاں بھی یہی چیز پیش آئی ۔ انہیں جب یہ ضرورت لاحق ہوئی کہ کلمات اور اسالیب کے مدعا کو متعین کیا جائے تو انہوں نے اس فن کا کچھ حصہ اصول فقہ میں داخل کر لیا ۔ اگر یہ فن مستقل طور پر مدون ہوتا تو اصولیوں کو یہ مشقت نہ کرنی پڑتی ۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ اسالیب کلام کی دلالتوں اور ان کے مواقع استعمال کو سمجھ کر

علم کا حتی الوسع احاطہ کیا جائے ۔ محض اسلوب سے اگر واقفیت ہو بھی جائے لیکن اس کے مواقع کو آدمی نہ جانتا ہو تو اس سے بھی غلط تاویل کا ایک بڑا دروازہ کھل جاتا ہے ۔ مثال کے طور پر ایک قول یہ ہے کہ لا زائد بھی آتا ہے ۔ اس اصول سے اگر کوئی فائدہ ہے بھی تو نقصان اس سے شدید تر ہے کیونکہ اس اصول کو مان کر نفی سے اثبات کے معنی لئے جا سکتے ہیں ۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ہم اسالیب کے مواقع استعمال کو بھی متعین کریں اور ان کو ان مخصوص مواقع سے نہ پھیریں ۔ جہاں تک قرآن مجید کے اسالیب کے جواز کا تعلق ہے تو اس کی سند پیش کرنے کی ضرورت نہیں ۔ کیونکہ کلام عرب کے اسالیب کے لئے قرآن خود ایک مضبوط سند ہے ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ تواتر سے منقول ہوا ہے ۔ حالانکہ دوسرے کلام میں کوئی چیز اس خصوصیت کی حامل نہیں حتیٰ کہ مشہور قصائد میں بھی منحول کلام کا شائبہ موجود ہے ۔ اب ہم ضروری اسالیب کو ترتیب وار بیان کرتے ہیں ۔

اقتران ووصل

قران عطف کی نسبت زیادہ عام ہے ۔ جب دو کلمے یا دو قول ساتھ ساتھ آتے ہیں تو اسے قران کہتے ہیں ، خواہ ان کلمات یا اقوال کے درمیان حرف عطف آئے یا نہ آئے ۔ یہ اسلوب کئی معانی پر دلیل ہوتا ہے ۔ مثلاً

۱ ۔ دو متصل قولوں کا ایک کلی معنی میں مشترک ہونا ۔ سورۂ رحمٰن میں ہے ۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدَانِ

سورج اور چاند ایک حساب سے چل رہے ہیں اور تارے اور درخت سجدہ کرتے ہیں

دونوں جملوں کو ساتھ ساتھ رکھ کر دونوں چیزوں کے مسخر اور عبادت گزار ہونے کی وضاحت فرمائی ۔ پہلے تو یہ بتایا کہ سورج اور چاند ایک مقرر اندازے کے مطابق جاری ہیں ۔ جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کسی حاکم کے زیر فرمان ایک کام میں لگے ہوئے ہیں ، پھر بتایا کہ یہ اس کی عبودیت میں ہیں اور اس کی ملکوت کے سرش کو سجدہ کرتے ہیں ۔ یہ تو بیان ہوا عالم جمادات کی روشن ترین مثالوں کا ۔ اس کے بعد عالم نباتات کو لیا اور اس کی بھی یہی حقیقت بیان فرمائی ۔ اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ یہ دونوں عالم — عالم جمادات اور عالم نباتات ، ایک ایسے جاندار کی مانند ہیں جو اللہ تعالیٰ کے آگے سربسجود ہو ۔ دوسرے مقام میں اس مضمون کی تصریح بھی کر دی ہے ۔ فرمایا ۔

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يَسْجُدُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُوْمُ وَالْجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَآبُّ وَكَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيْرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ ۔

تم نے دیکھا نہیں کہ اللہ ہی کو سجدہ کرتی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں اور زمین میں ہے اور سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت اور چوپائے اور بہت سے لوگ بھی۔ اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہیں، جن پر عذاب لازم ہو چکا ہے۔

۲۔ ایک لفظ کا دوسرے کے لئے بطور توضیح یا تاکید آنا ۔ جیسے حسب ذیل مثالوں میں ہے۔

عَزِيْزٌ مُّقْتَدِرٌ (غالب، با اقتدار) اَلْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ (غالب، ناقابل مقابلہ)

عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ (غالب، انتقام لینے والا)

۳۔ دو متقابل باتوں کی وضاحت کرنا ۔ جیسے حسب ذیل آیات میں ہے۔

اَلْعَزِيْزُ الْغَفَّارُ (غالب، بخشنے والا) صَبَّارٌ شَكُوْرٌ (بہت صبر کرنیوالا، شکر گزار)

اَلْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ (غالب، مہربان) اَلْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (زبردست، حکمت والا)

اَلْعَزِيْزُ الْعَلِيْمُ (زبردست، جاننے والا)

مذکورہ آیات میں صفت عزیز، مختلف صفات ۔ غفار، حکیم اور علیم کی قرین ہے ایسے موقع پر آنے والی تمام صفات ایک ہی امر کلی کے تحت ہوتی ہیں۔ گویا حکمت، رحمت اور علم ایک امر کلی کے تحت ہیں اور مزید غور سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حکمت علم کا اور علم قدرت کا نتیجہ ہے۔ پھر حکمت رحمت کا تقاضا ہے اور عزت قدرت کا ۔ جس طرح بظاہر مختلف صفات ایک کلی معنی میں جمع ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح تمام صفات ایک ذات میں جمع ہیں سورہ بقرہ کے آخر میں اس دلیل کی بہت سی مثالیں ہیں۔ وحدانیت سے مراد صفات کی نفی نہیں اور نہ ہی صفات کا اختلاف وحدانیت کے تصور سے متبائن ہے بلکہ حقیقت میں یہ تمام صفات ایک ہی عام اور کلی مفہوم میں داخل اور جمع ہیں اور اس طرح وجود کے کمال کو منتہی ہوتی ہیں۔

۲۔ حذف [1]

[1] یہ بحث میثاق کے اگست ۱۹۶۶ء کے شمارہ میں شائع ہو چکی ہے۔ اسے وہاں ملاحظہ کیا جائے۔

۳۔ تفصیل بعد اجمال

مجمل بیان کے بعد تفصیل بیان کرنے میں کئی فائدے ہیں مثلاً اس سے ایک حکیم یہ سیکھتا ہے کہ محکم کلام میں متعدد گہرے مسائل بیان ہوتے ہیں جن کی تفصیل کی عدم موجودگی میں ایک گہری فکر والا شخص ان کا کھوج لگا سکتا ہے۔ ثانیاً، تفصیل موجود ہونے کی وجہ سے ایک کم فہم آدمی ان مسائل کو سمجھ لیتا ہے جو پہلے بیان سے اس کی سمجھ میں نہیں آتے۔ گویا یہ اسلوب اسی طرح ہے جیسے بات کو دہرا دیا جائے۔ ثالثاً، چونکہ کلام کا محکم حصہ مختصر ہوتا ہے اس لئے اکثر نکات ایک دم میں ذہن میں آ جاتے ہیں۔ تفصیل میں متاخر چیزیں سامنے آتی ہیں۔ مجمل اور مفصل کا یہ مرکب اپنے اندر زیادہ لذت اور حسن رکھتا ہے۔ رابعاً، اس اسلوب کے ذریعے تعلیم سہل ہوتی ہے چونکہ محکم تمام کلیات پر حاوی ہوتا ہے اس لئے ان کا علم اور عمل آسان ہوتا ہے کیونکہ کلیات عقل کے لئے زیادہ واضح، دل کے لئے زیادہ پسندیدہ اور قبول کے لئے بہت ہلکے ہوتے ہیں۔ لہٰذا لوگ ان کو جلدی اختیار کر لیتے ہیں۔ خامساً، محکم کی مثال بیج اور تنے کی ہے۔ یہ پہلے ظاہر ہو کر لوگوں کو تفصیل کے لئے تیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۔

یہ کتاب جس کی آیات محکم کی گئیں پھر ان کی تفصیل کی گئی ایک حکیم و خبیر کی جانب سے ہے۔ حکیم و خبیر کے الفاظ اس ترتیب کے فوائد کی دلیل ہیں۔

۴۔ کسی شے کے صرف جزو حصہ کے بیان پر اکتفا

قرآن کا ایک اسلوب یہ بھی ہے کہ یہ ایک جگہ معاملہ کے صرف ایک پہلو کو بیان کرتا ہے تاکہ اس پر نگاہ مرتکز ہو سکے۔ مثلاً آخرت کے احوال کو تھوڑا تھوڑا کر کے مختلف جگہوں میں بیان کیا ہے اگر ایسا کرنے کے بجائے یہ تمام تفصیل ایک ہی جگہ بیان کر دی جاتی تو دلوں پر مرتسم نہ ہو سکتی۔ اس اسلوب کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ قرآن ایک بات کے مختلف پہلو کبھی اجمال کے ساتھ بیان کرتا ہے اور کبھی تفصیل سے۔ اسی طرح ایک مقام پر اس کا ایک پہلو بیان ہوتا ہے اور دوسری جگہ دوسرا پہلو۔

؛

۵۔ اثرات کو بیان کر کے ایک لفظ کے مخفی معنی پر دلالت

قرآن مجید بسا اوقات کسی لفظ کے معنی کی حقیقت اس کے مخفی اثرات کو بیان کر کے بھی واضح کرتا ہے۔ مثلاً متعدد مقامات پر یہ آیت آئی ہے اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (وہ لوگ جو ایمان لائے اور انھوں نے نیک کام کئے) یہاں عمل صالح، حقیقی ایمان کے اثر اور نتیجہ کے طور پر بیان ہوا ہے۔ اسی طرح حضرت داؤد علیہ السلام کی تعریف میں فرمایا ہے۔

وَآتَيْنَاهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ہم نے اسے حکمت دی اور معاملات کے فیصلہ کی قوت بھی

حکمت سے مراد وہ قوت ہے جس سے انسان صحیح فیصلہ کرنے پر قادر ہوتا ہے۔ گویا آیت میں پہلے تو اس قوت کو بیان کیا اور پھر اس اثر کو جو اس قوت سے پیدا ہوا۔ اس اسلوب کی ایک اور مثال سورہ بقرہ کی آیت ہے۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُوْنَ۔

ہدایت ہے متقیوں کے لئے جو غیب میں رہتے ہوئے ایمان لاتے ہیں، نماز کا اہتمام کرتے ہیں اور جو ہم نے انھیں رزق دیا اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

تقویٰ ایک باطنی صفت ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس چیز سے بچا جائے جو ضرر پہنچانے والی ہے۔ لہٰذا یہ صفت عزم اور احتیاط دونوں کی جامع ہے اور انسان کو گہرے فکر پر اکساتی ہے۔ اسی فکر سے نادیدنی چیزوں پر ایمان حاصل ہوتا ہے۔ یہ ایمان بھی ایک باطنی صفت ہے۔ لیکن جو شخص غور و فکر کے نتیجہ میں ایمان لے آیا اس کے لئے ایمان کے تقاضے پورے کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایسا شخص نماز بھی پڑھتا ہے اور انفاق بھی کرتا ہے۔

۶۔ وجوہِ وصل و فصل

کلام میں وصل یا فصل کے مواقع کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ نظم کلام کی اساس یہی ہے۔ جو شخص وصل و فصل کے اسالیب کو نہیں سمجھتا وہ کلام کے نظم کو الجھا ہوا پاتا ہے۔ نہ تو اس پر حقیقی مراد واضح ہو سکتی ہے اور نہ ہی نظام کا حسن اور بلاغت اس پر کھل سکتا ہے۔

کلام اپنی ظاہری شکل میں ایک خط مستقیم کی مانند ہے۔ اس میں ایک کے بعد دوسرا اور

دوسرے کے بعد تیسرا پہلو سامنے آتا چلا جاتا ہے لیکن جہاں تک معنی کا تعلق ہے اس میں کبھی کبھی فصل بھی ہوتا ہے۔ اس کے مواقع حسب ذیل ہیں۔

۱۔ بسا اوقات کلام کے کچھ اجزا حذف کر دئے جاتے ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے باب حذف) اس صورت میں کلام اس وقت تک مربوط نظر نہیں آتا جب تک سامع محذوف پر متنبہ نہ ہو جائے اور اس کو ذہن میں حاضر نہ کرے۔

۲۔ کبھی کبھی کلام کے بیچ میں کوئی دوسری بات بطور جملہ معترضہ آجاتی ہے۔ اس کے مختلف پہلو ہو سکتے ہیں جن کو ہم اعتراض کے باب میں بیان کریں گے۔ اس صورت میں بھی نظم کلام اس وقت تک الجھا ہوا معلوم ہوتا ہے جب تک سامع کلام کے اصل سلسلے کو یاد نہیں کرتا اور اس کے عمود کو نہیں سمجھتا۔

۳۔ فصل کی ایک شکل یہ ہوتی ہے کہ کلام ایک مفہوم سے دوسرے مفہوم کی طرف کسی مخفی مناسبت کی وجہ سے منتقل ہو جاتا ہے۔ کلام کے دروبست کو سمجھنے والا مخاطب اس مناسبت کو خود سمجھ لیتا ہے اور اس کی خاطر اس کو کھولنا ایک بے جا تفصیل ہوتی ہے۔

۴۔ کبھی کبھی کلام کا رخ ایک مخاطب سے دوسرے مخاطب کی طرف پلٹ جاتا ہے۔ ایسے موقع پر معنی سے غافل آدمی متحیر ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ حالت پیش اسی وقت آتی ہے جب وہ معنی کو ذہن میں محفوظ نہ کئے ہوئے ہو۔ اس اسلوب کی وضاحت التفات کے باب میں آئے گی۔

باقی

بقیہ اسلامی یونیورسٹیوں کا قیام صفحہ ۳۴ سے آگے

ہم مرکزی اور صوبائی حکومتوں سے ان کے باشعور اور باتدبیر ارباب اختیار سے یہ توقع رکھنے میں حق بجانب ہیں کہ وہ اس حق تقاضا کو پورا کریں اور ایک خود مختار غیر سرکاری اسلامی یونیورسٹی کے قیام کی راہ میں ممد و معاون ہوں۔ اس منصوبہ کی تکمیل کا دوسرا موثر ذریعہ قوم کے عوام و خواص ہیں۔ ارباب ثروت کی کوششوں سے لاکھوں، کروڑوں روپیہ کے رفاہی ادارے قائم ہو سکتے ہیں وہ چاہیں تو ... لیکن بہرحال حال ہی میں انہوں نے متعدد فاؤنڈیشن قائم کئے ہیں اگر ہمارے اصحاب خیر اس طرف بھی توجہ کریں تو وہ جلد ہی دنوں میں ایک شایان شان اسلامی یونیورسٹی قائم کر سکتے ہیں۔ ہمارے عوام بے زر اور بے علم ضرور ہیں لیکن وہ بے حس نہیں۔ وہ مال و زر نہیں رکھتے لیکن درد دل ضرور رکھتے ہیں اگرچہ ان کے پاس علم کی دولت نہیں لیکن جذبۂ ایمانی بے پایاں ہے۔ مگر ان بے پایاں تمناؤں کی کوئی قیمت ہے تو ان کی قدر کرنا ہمارے ارباب اقتدار اور اصحاب خیر دونوں کا فریضہ ہے۔

آئیے ہم سب مل کر ایک آزاد اور خود مختار اسلامی یونیورسٹی کی طرح ڈالیں وما توفیقنا الا باللہ

حافظ نذر احمد
مرتب جائزہ مدارس عربیہ مغربی پاکستان،
پرنسپل شبلی کالج، لاہور

پاکستان میں ایک غیر سرکاری اسلامی یونیورسٹی کے قیام کی ضرورت

یہ تحریر مؤتمر تعلیمات عربیہ اسلامیہ، پاکستان کے غیر اہتمام اسلامی یونیورسٹی کانفرنس لاہور منعقدہ ۱۹ر نومبر ۱۹۶۹ء میں پڑھی گئی ــــ

پاکستان میں ایک غیر سرکاری اسلامی یونیورسٹی کے قیام کی ضرورت پر اظہارِ خیال کرنے سے قبل ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم سرسری طور پر ان تعلیمی اداروں کا جائزہ لے لیں، جو ہمارے ملک میں سرکاری سطح پر موجود ہیں۔

قیامِ پاکستان کے وقت سرزمینِ پاک میں صرف دو یونیورسٹیاں موجود تھیں۔ مغربی پاکستان میں پنجاب یونیورسٹی اور مشرقی پاکستان میں ڈھاکہ یونیورسٹی۔ جلد ہی حکومت نے مزید یونیورسٹیوں کی ضرورت محسوس کی، چنانچہ مغربی پاکستان میں کراچی یونیورسٹی۔ پشاور یونیورسٹی اور حیدرآباد (سندھ) یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا ــــ اور مشرقی پاکستان میں ڈھاکہ یونیورسٹی کے ساتھ راجشاہی یونیورسٹی قائم ہوئی۔

ان علمی یونیورسٹیوں کے ساتھ فنی یونیورسٹیوں کی بھی ضرورت محسوس کی گئی اور مغربی پاکستان میں انجینیرنگ یونیورسٹی (لاہور) زرعی یونیورسٹی (لائل پور) قائم کی گئیں۔ مشرقی پاکستان میں بھی انجینیرنگ یونیورسٹی (ڈھاکہ) اور زرعی یونیورسٹی (ڈھاکہ) کا قیام عمل میں آیا۔ اس طرح اٹھارہ سال کی قلیل مدت میں پاکستان کے اندر دو سے بڑھ کر یونیورسٹیوں کی تعداد دس ہو گئی۔

ان یونیورسٹیوں کے ساتھ پاکستان کے دونوں حصوں میں ثانوی اور اعلیٰ ثانوی بورڈ بھی قائم

کئے گئے۔ مغربی پاکستان میں کراچی بورڈ۔ حیدرآباد بورڈ۔ لاہور بورڈ اور پشاور بورڈ قائم ہوئے۔ اور مشرقی پاکستان میں ڈھاکہ بورڈ۔ راجشاہی بورڈ اور کمیلا بورڈ قائم کئے گئے ــــ اور ابھی مغربی پاکستان میں ملتان کے مقام پر اور مشرقی پاکستان میں چٹاگانگ کے مقام پر مزید دو بورڈ قائم کرنے کا منصوبہ زیرِ غور ہے ــــ ان کے علاوہ لاہور میں ایک ٹیکنیکل ایجوکیشن بورڈ خود مختار ادارہ کے طور پر سرکاری سرپرستی میں کام کر رہا ہے۔

اس طرح پاکستان میں دس یونیورسٹیاں اور آٹھ بورڈ سرکاری نصاب کی تدریس و تعلیم اور انتظامات میں سرگرمِ عمل ہیں ــــ یہاں ہمیں اس مسئلہ سے بحث نہیں کہ یونیورسٹیوں کی موجودگی میں جداگانہ ثانوی اور اعلیٰ ثانوی Secondary and Intermediate Education Boards کی ضرورت تھی یا نہیں نہ ہمیں اس مرحلہ پر ان بورڈز کی کارکردگی کا جائزہ لینا مقصود ہے ــــ ہمیں صرف یہ دیکھنا ہے کہ اس کے مقابل دینی نظامِ تعلیم کے لئے سرکاری سطح پر کیا کچھ ہو رہا ہے۔

اس مسئلہ کا ایک قابلِ غور پہلو یہ بھی ہے کہ حکومت سرکاری نظامِ تعلیم کے لئے کروڑوں روپیہ خرچ کر رہی ہے۔ صرف مغربی پاکستان کے سالِ رواں کے بجٹ میں تعلیم کی مد پر مبلغ چار کروڑ چھ لاکھ روپیہ کی رقم مختص کی گئی ہے۔ اس رقم میں یونیورسٹیوں کے لئے اور بطورِ خاص کا حصہ ایک کروڑ چونسٹھ لاکھ روپیہ رکھا گیا ہے۔ کم و بیش مشرقی پاکستان کے بجٹ میں بھی اس قدر رقم ہے۔ مرکزی بجٹ کی گراں قدر رقوم اس کے سوا ہیں۔

دیکھنا یہ ہے کہ سرکاری مروجہ نصابِ تعلیم کی تدریس و ترویج کے لئے ملک میں اس قدر اہتمام کیا گیا ہے۔ اس نظامِ تعلیم کے اہتمام و انصرام پر کروڑوں روپیہ ہر سال خرچ کیا جا رہا ہے۔ یونیورسٹیوں کو ہنگامی اخراجات کے لئے۔ نئی تعمیرات کے لئے۔ نیو کیمپس اور جدید منصوبوں کے لئے ہر سال کئی کروڑ روپیہ کی امدادی رقوم سرکاری خزانہ سے مہیا کی جا رہی ہیں ــــ اس کے مقابل دینی نصابِ تعلیم پر کیا خرچ ہو رہا ہے؟

کالجوں میں اسلامیات کے دو دو۔ ایک ایک پروفیسر مقرر ہیں۔ یونیورسٹیوں میں اسلامیات کے شعبے قائم ہیں۔ لیکن یونیورسٹی کالجوں کی تدریس سے اسلام کے مبلغ اور داعی کم بلکہ نہ ہونے کے برابر۔ البتہ سکول کالجوں میں اسلامیات کا ایک پرچہ پڑھانے والے اساتذہ ضرور پیدا ہو رہے ہیں ــــ فنی یونیورسٹیوں میں اسلامی تعلیم کے لئے اس نوعیت کا بھی کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں کیا گیا ہے۔

خالص دینی تعلیم کے لئے مشرقی پاکستان میں "مدرسہ بورڈ" کے نام سے ایک پرانا نظام چلا آ رہا ہے۔ ضرورت تھی کہ عصری تقاضوں کے مطابق اس طرف خاص توجہ دی جاتی۔ اس بورڈ کو یونیورسٹی کا

درجہ دیا جاتا۔ مگر ایسا نہیں کیا گیا۔

مغربی پاکستان میں محکمہ اوقاف نے کروڑوں روپیہ کے اوقاف اپنی تحویل میں لئے۔ سینکڑوں مساجد۔ مزارات اور وقف املاک کا انتظام و انصرام اپنے ہاتھوں لیا گیا۔ لیکن دینی نظام تعلیم کے لئے کیا کچھ کیا؟ ابتداً کوئٹہ میں ایک اسلامی اکیڈمی قائم کی گئی۔ جس کا مقصد وحید یہ قرار پایا کہ محکمہ اوقاف کی زیر تحویل مساجد کے خطیب اور ائمہ کے لئے ریفریشر کورسز کرائے جائیں اور بس۔

۱۹۶۳ء میں بہاولپور میں "جامعہ اسلامیہ" کے نام سے محکمہ اوقاف کے زیر اہتمام ایک دینی یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا۔ اس محکمانہ یونیورسٹی کے مقاصد کیا ہیں؟ اور یہ یونیورسٹی اپنی موجودہ ہیئت کذائی کے ہوتے ہوئے ان مقاصد کو پورا کرنے کی اہلیت رکھتی ہے یا نہیں؟ دو تین سال کی مدت میں حالات بہتر ہوئے ہیں یا ترقی معکوس ہوئی ہے؟ ان سوالات پر گفتگو نہ کرنا ہی بہتر ہے ـــ نازک مزاجِ شاہاں تاب سخن ندارد۔

اس قدر ضرور عرض کروں گا کہ ہر کام کا مزاج ہوتا ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کے کارکن وہی مزاج رکھتے ہوں۔ وہ محکمہ تعلیم جس کے ذمہ دعوتِ اسلام اور تبلیغ دین کا فریضہ ہو ضروری ہے کہ اس کے اہل کار تقویٰ و طہارت۔ اخلاص عمل۔ دیانت و امانت۔ دینداری اور دین کی لگن میں دوسرے سے ممتاز ہوں۔ اس تلخ نوائی کے لئے معذرت چاہتے ہوئے عرض کروں گا کہ یہ صورتِ حال مملکتِ خداداد پاکستان کے ہرگز شایانِ شان نہیں۔ ایک طرف مروجہ سرکاری نظام تعلیم کے لئے کروڑوں روپیہ خرچ کیا جا رہا ہے دوسری طرف دینی مدارس پر ایک پھوٹی کوڑی سرکاری خزانہ سے برآمد نہیں ہوتی ـــ ایک طرف چند سالوں کے اندر دو کی بجائے دس یونیورسٹیاں اور آٹھ بورڈ قائم ہو گئے۔ دوسری طرف صرف ایک برائے نام بورڈ اور یونیورسٹی کو کافی سمجھا جا رہا ہے۔

ہمیں ان یونیورسٹیوں اور بورڈوں کے قیام پر ہرگز ناگواری نہیں۔ بلکہ صد درجہ خوشی و مسرت ہے لیکن اس امر کا شدید گلہ ہے کہ دین کی نشر و اشاعت۔ علوم اسلامی کی ترویج و تدریس اور دعوتِ اسلامی کے لئے کسی یونیورسٹی اور خود مختار آزاد مرکز کے قیام کے لئے سنجیدگی سے کوشش ہرگز نہیں کی گئی اور عوامی مساعی کو شرفِ پذیرائی نہیں بخشا گیا ـــ جبکہ بانیٔ پاکستان سے لے کر اب تک ہر گورنر جنرل۔ ہر صدر مملکت۔ ہر وزیر اعظم اور ہر وزیر معارف نے اسلام کا نام سرِفہرست رکھا ہے علومِ اسلامی کو (تقاریر کی حد تک ہی سہی) اپنا تکیہ کلام بنایا ہے اور خود جمہوریہ اسلامیہ پاکستان کے دستورِ اساسی میں اسلامی زندگی۔ کتاب و سنت۔ اور اسلامی اقدار کے تحفظ و بقا کی ضمانت دی گئی ہے۔

(بقیہ ص ۳۱ پر)

افکار و آراء

۱۔ ادارہ 'بینات' کراچی

۲۔ ادارہ 'الرحیم' حیدرآباد

۳۔ ڈاکٹر احمد حسین کمال، رحیم آباد

علمائے کرام کی خدمتیں

(۱)

(ذیل کی تحریر ماہنامہ 'بینات' کراچی کی مارچ ۱۹۶۶ء کی اشاعت سے ماخوذ ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ 'بینات' کے ماہ رجب کے شمارے میں 'ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی راولپنڈی' کی جانب سے شائع شدہ 'مجموعہ قوانین اسلامی' مولفہ جناب تنزیل الرحمٰن پر ایک مفصل تبصرہ جناب مفتی ولی حسن صاحب ٹونکی کے قلم سے شائع ہوا ـــ اول تو یہ طرز عمل بجائے خود مثبت تعمیری طرز فکر کا آئینہ دار تھا کہ بجائے اس کے کہ محض اس بنا پر کہ زیر تبصرہ کتاب ایک معروف تجدد پسند ادارے کی جانب سے شائع ہوئی تھی اسے یکسر رد کر دیا جاتا فاضل تبصرہ نگار نے انتہائی محنت سے پوری کتاب کا تنقیدی مطالعہ کیا اور شدید عرق ریزی سے اس کی ایک ایک دفعہ میں صحیح و غلط اور حق و باطل کی علیحدہ علیحدہ نشان دہی کر دی ـــ اس پر مستزاد یہ کہ تبصرے کے آخر میں "مولف" اور تالیف کے بارے میں بحیثیت مجموعی ہماری رائے" کے ضمن میں وسعتِ قلب کے ساتھ اور اعترافِ حق کے جذبے کے تحت یہ اعتراف بھی کر لیا کہ مولف سے غلطیاں ضرور سرزد ہوئی ہیں لیکن ان کے نقطۂ نظر میں کجی اور طرز فکر میں فتنہ انگیزی موجود نہیں ہے اور بحیثیت مجموعی یہ کتاب "ربما غنیمت" اور قابل قبول ہے ـــ اس پر دینی حلقوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں اور بعض 'انتہائی' ذمہ دار اور ممتاز علماء نے 'بینات' کے سرپرست اور نگران حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری کے نام شکایتی خطوط لکھے جن کا مرکزی مضمون یہ تھا کہ ...... "وہ تجدد پسندی کا جواب [illegible] تھا۔ اگر یہی گھٹنے ٹیک دے تو انجام کیا ہوگا!" ـــ اور یہ کہ ...... "یہ تھوڑی سی نرمی علماء کے موقف کو کمزور کر دیتی ہے۔ اور اس طرح دشمنانِ دین کے موقف کو [illegible]

طور پر قوت مل جاتی ہے ...... ؟" — اس پر ادارہ "بینات" نے ایک جانب تو تبصرے کے اس حصے کی قدرے "وضاحت" کی جو شاید حضرات معترضین کے نزدیک تو "عذرِ گناہ بدتر از گناہ" ہی قرار پائے۔ اور دوسری طرف علمائے کرام کی خدمت میں بھی "نوا را تلخ تر می زن ......" کے عنوان سے بعض گذارشات بڑے ادب و احترام کے ساتھ پیش کیں۔

ان گذارشات میں بعض باتیں چونکہ انتہائی اہم آگئی ہیں اور اس لائق ہیں کہ پاکستان کے تمام علماء ان پر ٹھنڈے دل سے غور کریں اور ان کی روشنی میں اپنے موجودہ طرزِ فکر و عمل پر نظرِ ثانی فرمائیں۔ لہٰذا ہم اس تحریر کو ادارہ "بینات" کے شکریے کے ساتھ قارئین "میثاق" کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں — (مدیر)

"نوا را تلخ تر مے زن چو ذوقِ نغمہ کم یابی
حدی را تیز تر مے خواں چو محمل را گراں بینی

اس موقع پر ہم علمائے اُمت کی خدمت میں بھی چند گزارشات پیش کرنا ضروری فرض سمجھتے ہیں:-

الف:- انگریز کے دورِ حکومت میں ہمارے اکابر نے جو شاندار دینی و ملی کارنامے انجام دیئے، ان کا خلاصہ نکالئے تو انہیں بڑے بڑے دو شعبوں میں بانٹا جا سکتا ہے۔ اوّل:- ہر قسم کے جدید و قدیم فتنہ کا استیصال بذریعہ تقریر و تحریر، وعظ و تبلیغ، درس و خطابت اور ارشاد و تلقین۔ دوم:- اُمت مسلمہ کے لئے روحانی غذا مہیا کرنا، بذریعہ قیام مدارس و معاہد، دار العلوم، مساجد و خانقاہ، تصنیف و تالیف، اور جلسہ و کانفرنس آج کل کی اصطلاح میں قسم اوّل کو "منفی" اور قسم ثانی کو مثبت کہا جاتا ہے، اور کوئی شک نہیں کہ دین کی پاسبانی کے لئے علمائے اُمت نے ان دونوں میدانوں میں بیش قیمت قربانیاں دیں اور اپنے خون جگر سے "گلشن دین خداوندی" کو سیراب کیا، الحمد للہ کہ آج تک اپنی بساط کے موافق یہ سلسلہ جاری ہے، خدمت دین کی ان ہی مثبت و منفی تاروں کے ذریعہ جب تک اُمت مسلمہ کا رابطہ "گلشن" ذات نبوی (بآبائنا ھو و امھاتنا، صلی اللہ علیہ وسلم) سے قائم رہے گا، اُمت، انوار نبوت سے مستفید ہوتی رہے گی، اور اس سلسلہ میں سعی کرنے والے حضرات اپنی اپنی محنت اور قربانی کے بقدر، اجر عظیم کے مستحق ہوں گے،

ب:- انگریز کے رخصت ہو جانے، اور اسلامی نظریۂ حیات کی بنیاد پر مملکت خداداد پاکستان کے

وجود میں آجانے کے بعد علمائے اُمت پر مذکورہ بالا دوگونہ ذمہ داریوں کے ساتھ ایک تیسری ذمہ داری عائد ہوگئی، یعنی حکومتِ پاکستان کے سامنے نہایت پیار و محبت، انتہائی ہمدردی اور خلوص اور بے حد حکمت و فراست کے ساتھ اسلامی اور دینی نقشۂ حیات پیش کرنا، جن پر ایک اسلامی ریاست کی بنیادیں اٹھائی جائیں نیز دورِ حاضر کی تمام مشکلات کا حکیمانہ جائزہ لے کر اسلامی قانون کی تدوین، جسے عدلیہ میں نافذ کیا جائے، یہ علمائے امت کا اپنا منصبی فریضہ تھا، خواہ حکومت ان سے مطالبہ کرتی یا نہ کرتی، انہیں صحیح اور واقعی مقام دیتی یا نہ دیتی، ان کی گرانقدر خدمات کا اعتراف کسی حلقہ کی جانب سے کیا جاتا یا نہ کیا جاتا، دنیا کے ہر اجر و مزد، منصب و وجاہت، اور مال و جاہ کی منفعت سے بالاتر رہ کر صرف رضائے الٰہی اولائے حق رسالت، نفع اسلام، اور فلاح آخرت کی خاطر انہیں یہ کام کرنا چاہیے تھا۔ جانشین نبوت کی حیثیت سے ان کا مشن وہی ہونا چاہیے تھا جو تمام انبیاء علیہم السلام کا رہا یعنی

وما اسئلکم علیہ من اجر، ان اجری الا علی اللہ۔

میں تم سے اس پر کوئی معاوضہ نہیں چاہتا، میرا اجر و ثواب تو بس اللہ نے اپنے ذمے رکھا ہے

لیکن ہمیں اپنی اس کمی کا اعتراف کرنا چاہیے، کہ جہاں ہم دین کی اور بیش بہا خدمتوں کی بنا پر رحمت خداوندی سے اجر و ثواب کے متعی ہیں وہاں اس عظیم الشان فریضہ سے صرفِ نظر کرنے کی وجہ سے معرضِ مسئولیت میں آجانے کا شدید اندیشہ بھی لاحق ہے، اگر میدانِ قیامت میں یہ مناقشہ فرمایا گیا کہ تم نے اس نازک مرحلہ میں اپنی اجتماعی قوتوں کو کیوں نہ کھپایا؟ اس زبردست خلا کو پُر کر کے اُمت کی قیادت کیوں نہ کی وقت کے ایک عظیم دینی فریضہ سے کیوں بے اعتنائی برتی؟ تمہارے ذاتی مشاغل نجی مقاصد اور گروہی فوائد اس کے درمیان کیوں حائل رہے، اور اسلامی حکومت کے سامنے ایک صحیح "مجموعہ قوانین اسلام" پیش کر کے تم نے اتمام حجت کیوں نہ کیا؟ تو غالب گمان یہ ہے کہ جہاں ارکانِ مملکت، ارباب سیاست اور ادارہ تحقیقات اسلامی کے لوگوں کے پاس اس کا کوئی جواب نہ ہوگا، وہاں علمائے امت بھی اس کی مسئولیت سے بری نہ ہو سکیں گے۔ — الا من رحمہ اللہ،

ج:- ایک جمہوری ملک میں تہذیب و متانت اور خیر خواہی و دل سوزی کے ساتھ حکومت کو نیک مشورہ دینا ...... کوئی شجرۂ ممنوعہ نہیں، بلکہ ایک اچھی روایت ہے، اور علمائے اُمت پر تو ایک شرعی فریضہ کی حیثیت سے یہ لازم ہے کہ وہ اصلاحی مشورے دیں، لیکن علمائے اُمت کی ذمہ داری بھی اس بات پر ختم نہیں ہو جاتی کہ وہ حکومت پر تنقید کیا کریں اور "یہ نہ کرو وہ نہ کرو" کا صرف وعظ

کہہ دیا کریں، بلکہ انہیں آگے بڑھ کر حکومت کو یہ بھی بتلانا ہوگا کر دیجئے کہ "ان کے پاس ایسا مرتب شدہ مجموعۂ قوانین ہو جسے دفعات کی شکل میں جدید طرز کی قانونی زبان میں مدون کیا گیا ہو اور شرعی حدود کے تقاضوں کی رعایت پوری طرح اس میں ملحوظ رکھی گئی ہو، نئے دور کی مشکلات کا شرعی حل پیش کیا گیا ہو، قرآن و حدیث، اجماع امت اور اصول اجتہاد کی ٹھیک ٹھیک پابندی رکھتے ہوئے . . . . امت کے لئے ممکن حد تک آسانی کی گنجائش باقی رکھی گئی ہو، پھر اس "مجموعہ قوانین اسلام" کو پوری بصیرت سے انتظامیہ، مقننہ اور عدلیہ کے سامنے پیش کرتے ہوئے وہ یہ کہنے میں حق بجانب ہوں گے کہ "اسے اسلامی ریاست میں نافذ کرو" اور اس وقت ارباب اختیار بالفرض اسے نافذ نہ بھی کریں تو کم از کم علمائے امت عنداللہ اخروی مسئولیت سے تو بری الذمہ ہو ہی جائیں گے اور داور محشر کی عدالت میں اوّلین و آخرین کے سامنے وہ اتنا تو کہہ سکیں گے کہ :-

"یا اللہ اپنی فہم و بصیرت کی ممکنہ حد تک تیرے پاکیزہ قانون کو ہم نے آسانی سے آسان تر صورت میں قوم کے سامنے پیش کر دیا تھا۔ اے اللہ! ہم اپنے ضعف اور اپنی ناداری کے ساتھ بس اتنا کام ہی کر سکتے تھے، لیکن قوت کے ساتھ اسے نافذ کرنا ہمارے بس سے باہر تھا۔

فان تعذبھم فانھم عبادك وان تغفر لھم فانك

انت العزیز الحکیم

اب آپ انہیں عذاب دینا چاہیں تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر آپ ان کی بخشش فرما دیں تو بلاشبہ آپ زبردست ہیں حکمت والے ہیں"

اور کیا بعید ہے کہ حق تعالیٰ کسی وقت ارباب اختیار کو اس کے نافذ کرنے کی توفیق ہی دے دیں (جہاں تک ہمیں معلوم ہے حکومت میں اب بھی اللہ کے ایسے مخلص بندے موجود ہیں، جو دل و جان سے اس بات کے متمنی ہیں کہ انگریزی قانون (جو جزوی ترمیمات کے ساتھ ہمارے یہاں رائج ہے) کی جگہ اسلامی قانون نافذ کیا جائے، چنانچہ صدر مملکت نے ادارۂ تحقیقات اسلامی اسی نیک مقصد کے لئے قائم کیا تھا کہ تدریجاً مروجہ قانون کی دفعات کو اسلامی قانون میں ڈھال دیا جائے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس ادارہ کے بعض ارکان کی الٹی ذہنیت نے اس کے مقاصد ہی کو اُلٹ کر رکھ دیا ہے اور صرف "مغربیت پر اسلام کی چھاپ" لگا دینے کے لئے ہی تمام الحادی اسلحہ استعمال کیا جانے لگا۔)

۵:- اس سلسلہ میں علمائے امت کے سامنے جو مشکلات ہیں اور جن دشوار گذار مراحل سے وہ گذر رہے ہیں نکتہ چین لوگوں کو ان کا احساس ہو یا نہ ہو، ہمیں ان کا پوری طرح احساس ہے، لیکن اس کا کیا کیجئے کہ زمانے کے دینی تقاضے ہماری مشکلات پر نظر رکھنے کے عادی نہیں ہیں، مقتضیات وقت کی عدالت میں ہمارے اس عذر کی کوئی شنوائی نہیں کہ ہمارے پاس نہ تو اس کام کے لئے باصلاحیت افراد کو فارغ کرنے کی ادنیٰ گنجائش ہے، اور نہ ہم اس کے لئے زرِ کثیر فراہم کر سکتے ہیں۔ "تقاضئ وقت" کا فیصلہ یہی ہے کہ تمہارے پاس فرصت ہو یا نہ ہو، قوت ہو یا نہ ہو، سرمایہ ہو یا نہ ہو، بیٹھنے کی جگہ ہو یا نہ ہو، تمہیں یہ کام بہرحال کرنا ہوگا، اور بغیر کسی دنیوی منفعت کے کرنا ہوگا، کیونکہ کرنے کا کام صرف گفت و شنید سے نہیں ہوتا، وہ تو بہرصورت کرنے ہی سے ہوتا ہے۔ "گذشتہ چند سالوں سے ہندوستانی علماء نے ایک ادارہ "تحقیقات شرعیہ" قائم کر لیا ہے۔ جس سے قارئین بینات متعارف ہیں۔ لیکن بڑی ندامت کی بات ہے کہ "پاکستانی علماء اب تک اپنا "ادارہ تحقیقات اسلامی" قائم نہیں کر سکے جو ہر قسم کی سیاست بازی سے الگ رہ کر پوری ملت کی اس عظیم خدمت کو بجا لاتا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون، یہ جو کچھ عرض کیا گیا ہے اس پر پوری سنجیدگی سے غور و فکر کرنا چاہئے، نری جذباتیت سے مسائل حل نہیں ہو جاتے،

لعمری لقد نبھت من کان نائماً

واسمعت من کانت لہ اذنان!

" (الامام الکشمیری)

(۲)

[ذیل کا اقتباس شاہ ولی اللہ اکیڈمی حیدرآباد کے علمی مجلے، ماہنامہ الرحیم کے ماہ اپریل ۱۹۶۶ء کے شذرات سے ماخوذ ہے —— گذشتہ عید الفطر کے موقع پر پورے ملک میں جو بدمزگی پیدا ہوئی تھی اس کے ضمن میں الرحیم نے کچھ گذارشات علمائے کرام کی خدمت میں پیش کی تھیں جن پر علماء کے حلقوں میں ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا —— چنانچہ اب پھر کچھ مختصر معروضات "الرحیم" نے پیش کی ہیں —— جس مسئلے کے ضمن میں یہ قیل و قال شروع ہوئی تھی وہ تو اگرچہ اب رفت و گذشت ہو چکا ہے۔ تاہم اس کے ضمن میں بعض انتہائی اہم اور غور طلب مسائل زیر گفتگو آگئے ہیں۔ کاش کہ علمائے کرام ان معروضات کو بھی "الزام" یا "تنقید" سمجھنے کی بجائے نصح و خیر خواہی پر مبنی سمجھ کر ان پر ٹھنڈے دل سے غور کر سکیں —— مدیر]

"ماہ فروری کے شمارے میں رویتِ ہلال کے بارے میں چند گذارشات پیش کی گئی تھیں،

ہمیں افسوس ہے کہ جس خلوص نیت اور جس مقصد کے تحت انہیں پیش کیا گیا تھا، ان کو اس حیثیت میں نہیں دیکھا گیا اور ہمارے بعض بزرگوں کو یہ گزارشات اور انہیں پیش کرنے کا انداز ناگوار گزرا اور انہوں نے ان کے بارے میں ناراضگی کا اظہار فرمایا۔ ہمیں اس کا دلی رنج ہے۔ ہم اپنے ان بزرگوں سے عرض کریں گے کہ "الرحیم" کے پیش نظر پہلے دن سے یہ ہے کہ ملک میں علوم دینیہ کا وقار بڑھے۔ وہ اپنی اہمیت و افادیت میں اس مقام پر آجائیں، جہاں آج دوسرے علوم ہیں۔ اس کے ساتھ علماء کرام کا معاشرے میں مرتبہ بلند ہو۔ عوام اور حکومت اُن کی باتوں پر کان دھریں اور انہیں اپنا مرشد و رہنما سمجھیں۔ دین دنیا سے الگ تھلگ مسجد یا مدرسہ میں محدود ہو کر نہ رہ جائے۔ وہ قومی زندگی کو مقصدیت دے۔ روح دے۔ اخلاقی رہنمائی بخشے اور اس طرح ملتِ پاکستان کی تشکیل نو ہو سکے۔

رویت ہلال کا معاملہ تو سال میں ایک بار ہوتا ہے۔ اب یہ معاملہ رفت گزشت ہو گیا اس لئے اس پر مزید بحث بے کار ہو گی۔ خدا کرے ایک سال بعد جب عید الفطر آئے تو اس طرح کی بدمزگی پیدا نہ ہو اور حکومت، جو ہر حال میں ملک و قوم کی سیاسی و اجتماعی، انتظامی قوت کا مظہر ہوتی ہے اس کے فیصلے کو سب مانیں اور کم سے کم عید وغیرہ کے موقعوں پر تو پاکستان کے اندر پوری ملت متفق و متحد نظر آئے۔

ہم نے فروری کے شمارے میں عرض کیا تھا اور اب پھر پوری دردمندی کے ساتھ اور بصد عجز و نیاز عرض کریں گے کہ ایک قومی اسلامی حکومت میں علماء کرام کا جو رول ہونا چاہیئے اور جو آج دوسرے آزاد ملکوں میں فی الواقع ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ہاں کے اکثر علماء کرام اس رول کو اپنانے کے لئے تیار نہیں۔ اور اس ضمن میں وہ ذہناً اور عملاً اس فضا میں رہتے ہیں جو اس برصغیر میں ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے تھی۔ اُن میں سے بہتوں کو اب تک یہ معلوم نہیں کہ اس دور میں جب کہ حکومتوں کا کام صرف بیرونی حملوں کو روکنا اور اندرونی طور پر امن قائم کرنا نہیں رہا، بلکہ عوام کے لئے روزگار بہم کرنا، ان کے لئے طبی امداد، مکان، تعلیم اور اس طرح کی دوسری ضروریاتِ زندگی مہیا کرنا بھی حکومتوں کے فرائض میں داخل ہے، اور جو حکومت جس قدر بھی ان فرائض کی ادائیگی میں قاصر ہوتی ہے، اسی قدر اسے نااہل سمجھا جاتا ہے۔ حکومتوں کا عمل دخل قومی زندگی کے ہر شعبے میں بتدریج بڑھتا جائے گا۔

اور خاص طور سے ملکوں کی معاشی اور ترقیاتی ضرورتیں کچھ اس قسم کی ہوتی جا رہی ہیں کہ حکومتوں کو عوام و خواص کی آمدنی اور خرچ پر زیادہ سے زیادہ کنٹرول کرنا پڑے گا۔

غرضیکہ یہ منصوبہ بندی کا دور ہے۔ صرف معاشی منصوبہ بندی نہیں بلکہ پوری قومی و ملکی زندگی کی منصوبہ بندی کا۔ یہ وقت کی ضرورت ہے اور جو ملک اپنے ہاں اس طرح کی منصوبہ بندی نہیں کرے گا، وہاں کسی قسم کی ترقی نہیں ہو سکے گی۔ اور انتشار و خلفشار عام ہو گی۔

ان حالات میں حکومت پاکستان کو ملک کی مذہبی زندگی کی جملہ سرگرمیوں کو کسی نہ کسی نظام کے تحت لانا ہوگا، اور اس وقت ہمارے ہاں جو فرقہ وارانہ انارکی ہے، تصادم ہے، انتشار ہے اور اس کی وجہ سے عام ضیاع ہے، اسے روکنا پڑے گا۔ اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں، تمام مسلمان ملکوں میں فعلاً یہ ہے، اور یہاں بھی یہ ہوگا۔ اس کے بغیر حکومت اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکے گی۔

ہمارے بزرگوں کو ان بدلے ہوئے حالات کی تاریخی منطق کو سمجھنا چاہیئے اور بجائے اس کے کہ وہ حکومت، ہمارے نزدیک حکومت سے مراد کسی خاص شخص کی حکومت نہیں، بلکہ ادارۂ حکومت سے متصادم ہوں اور ہر مسئلے پر خواہ وہ رویت ہلال کا ہو، خواہ عائلی قوانین میں ترمیمات اور خاندانی منصوبہ بندی کا، حکومت کے خلاف مہم چلائیں، وہ "الدین النصیحۃ" کے فرمودۂ عالی پر عمل کر کے حکومت کو صحیح مشورے دیں اور اس کی کوتاہیوں کی اصلاح کریں۔ وہ ہر معاملے میں حکومت کے حریف بن کر میدانِ سیاست میں نہ کود دیں۔ اور نئے آئے دن یہ چیلنج نہ دیں کہ دیکھ لیا، عوام ہماری سنتے ہیں، حکومت کی نہیں۔ اس طرح کا تصادم خطرناک ہے، حکومت کے لئے اتنا نہیں جتنا علماء کے لئے۔ ترکی اور دوسرے مسلمان ملکوں کی مثالیں آپ کے سامنے ہیں ——— فروری کے الرحیم میں جو کچھ عرض کیا گیا تھا، اس کا محرک یہ جذبہ تھا۔ اس سے غرض الزام یا تنقید نہ تھی ۔۔"

۳۔[محترم ڈاکٹر احمد حسین کمال صاحب نے اپنے مندرجہ ذیل مکتوب میں "میثاق" کے مارچ ۱۹۶۷ء

کے "تذکرہ و تبصرہ" کے بعض حصوں پر اظہار رائے کیا ہے۔ اور اگرچہ ان کا یہ طویل مکتوب "تذکرہ و تبصرہ" کی مذکورہ قسط میں جس رائے کا اظہار ہم نے کیا ہے اس کی تائید اور اس کے اصل موضوع اور نہج استدلال کی بحیثیت مجموعی تصویب کرتا ہے اور اس اعتبار سے اس کی اشاعت کی چنداں ضرورت نہ تھی۔ تاہم چونکہ ان کی رائے میں ہم سے رجال دین اور تحریک شہیدین کے معنوی و روحانی ورثاء کے موقف کی ترجمانی میں کوتاہی ہو گئی ہے اور ان کا اصرار ہے کہ "اس معتوب طبقہ کے بارے میں اس اظہار رائے کو "میثاق" کے صفحات پر شرف پذیرائی بخشنے سے گریز نہ کیا جائے" اس لئے ہم اسے شائع کر رہے ہیں۔

اس ضمن میں اس قدر گذارش ہم ضرور کرنا چاہتے ہیں کہ ڈاکٹر صاحب اگر اس قدر طویل محض دعوے کر دینے کے بجائے کچھ دلائل بھی اس کے حق میں دیتے تو مفید تر رہتا۔ یہ ہماری تاریخ کا انتہائی اہم باب ہے۔ اور اس کے ضمن میں "عام کہی اور سنی" جانے والی باتوں کی تردید میں دلائل و شواہد کو مربوط و مرتب شکل میں پیش کیا جاسکے تو یہ ایک اہم علمی خدمت ہو گی۔

جہاں تک ہماری تحریر کے مبینہ تضاد کا تعلق ہے ہم صرف اس قدر گذارش کرنا چاہتے ہیں کہ انبیاء کرام علیہم السلام کے علاوہ کوئی بھی شخص چاہے وہ کتنا ہی مخلص و بے نفس، محنتی و سخت کوش، آزمودہ و تجربہ کار، اور ہر اعتبار سے منجھا ہوا اور سرد و گرم چشیدہ، کیوں نہ ہو معصوم عن الخطا نہیں ہوتا — اور اس سے غلطی کا صدور مستبعد نہیں ہے۔ رہا ضد کا معاملہ تو یہ حقیقت ڈاکٹر صاحب کی نگاہوں سے اوجھل نہ ہو گی کہ "مردی و نامردی قدمے فاصلہ دارد" کے مصداق مستقل مزاجی اور ضد میں بھی بس تھوڑا سا ہی فرق ہوتا ہے اور ضد زیادہ تر پیدا ہی ان مخلص و بے نفس لوگوں میں ہوتی ہے جو اپنے خلوص اور بے نفسی کے اعتماد پر ایک راہ پر بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو ہر وقت اپنے مفاد پر نگاہ رکھتے ہوں اور ہر آن وقت کے چشم و ابرو کے بدلتے ہوئے اشاروں پر اپنے موقف تبدیل کرتے چلے جائیں ان کے یہاں "ضد" کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ مدیر]

مکرم و محترم!

آپ نے "میثاق" مارچ ۱۹۶۶ء کے اداریہ "تذکرہ و تبصرہ" میں اسلامیان ہند کی سوا سو سالہ تاریخ کے چند اہم نقوش صفحۂ قرطاس پر منتقل فرمائے ہیں، تاکہ تحریک پاکستان کا

صحیح پس منظر نگاہوں کے سامنے آجائے۔

اس سلسلے میں مجھے صرف اتنی گذارش کرنی ہے کہ آپ کے تحریر فرمودہ اس پس منظر میں مسلمانان ہند کے مذہبی طبقوں، خصوصاً تحریک شہیدین اور جماعت مجاہدین کے معنوی و روحانی وارثوں، یعنی رجال دین کا، جو نقش صفحۂ قرطاس پر ثبت ہوا ہے وہ ان حضرات کے موقف کا صحیح و واقعی اظہار نہیں ہے۔

ان حضرات کے متعلق "پروپیگنڈے" کی زبان نے، جو یک طرفہ ذخیرہ ہماری حال کی سیاسی تاریخ میں جمع کر دیا ہے۔ آپ نے بھی اس میں سے چند چیزیں لے کر اپنے مرتبہ پس منظر میں شامل فرمالی ہیں۔

میثاق میں آپ نے، اپنا سلسلۂ مضامین جس دقیقہ رس اسلوب کے ساتھ شروع کر رکھا ہے، اس سے میں یہ قیاس کرنے میں غلطی پر نہیں ہوں کہ آپ ماضی کی کوتاہیوں اور کمزوریوں سے احتراز، ایک نئی ہمہ گیر اسلامی تحریک کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں۔ مرحوم جماعت اسلامی کا تجزیہ آپ جس دیدہ ورانہ اور حقیقت پسندانہ طریقے پر کر رہے ہیں، وہ محض ذکر ماضی اور اوقات گذاری تک محدود نہیں سمجھا جاسکتا۔

اس عظیم مقصد کے لئے، آپ کو حق پہنچتا ہے کہ آپ برصغیر کی اسلامی تاریخ کا گہرا جائزہ لے کر اس کے کمزور پہلوؤں کو نمایاں کریں، لیکن جس گروہ و طبقے کے لئے بھی آپ کچھ لکھیں وہ مفروضات اور شنیدہ باتوں پر مبنی نہیں ہونا چاہئیے۔

آپ کو اپنے مشن کی خاطر، خاص طور پر، اس امر سے، واقف ہونا چاہئیے کہ تحریک شہیدین اور جماعت مجاہدین کے معنوی و روحانی وارثوں، یعنی رجال دین کے بارے میں ۱۸۵۷ء کے معرکہ آزادی وطن کے فوراً بعد سے ہی، انگریزی اقتدار نے منظم طور پر غلط فہمیاں پھیلانا شروع کر دیا تھا۔ غلط فہمیاں پھیلانے اور مسلمان عوام کے اندر ان کا اعتماد مجروح کرنے کا سلسلہ تحریک خلافت کے بعد شدید و تیز تر ہو گیا تھا اگر میں اس صورت حال کی تفصیل لکھنے بیٹھوں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے گی۔

جب آپ خود اپنے اس مضمون میں، یہ اعتراف فرما رہے ہیں کہ اس طبقے میں ایک سے ایک بڑھ کر مخلص و بے نفس، محنتی و سخت کوش، آزمودہ و تجربہ کار اور ہر اعتبار سے منجھا ہوا اور سرد و گرم چشیدہ سیاسی کارکن موجود تھا، تو پھر غور فرمائیے کہ آپ کا اس طبقے کے بارے میں یہ لکھنا کس

طرح حق بجانب ہو سکتا ہے کہ انہوں نے حالات کے رخ کو سمجھنے میں غلطی کی اور وہ ہندوستان کی پوری مسلمان قوم کے سوادِ اعظم کے احساسات کا صحیح اندازہ کرنے میں بری طرح ناکام ہوئے۔ اور ان کے موقف و اقدام میں ضد و ہٹ دھرمی کا عنصر شامل ہوتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ شدھی و سنگھٹن جیسی تحریکیں بھی ان رجالِ دین کی آنکھیں کھولنے میں ناکام رہیں۔

کیا اس قسم کا اندازِ فکر صریح تضاد کا حامل نہیں سمجھا جائے گا؟ آخر یہ کیسے تجربہ کار سرد و گرم چشیدہ اور منجھے ہوئے سیاسی کارکن تھے کہ حالات کا رخ سمجھنے میں بھی انہوں نے غلطی کی، سوادِ اعظم کے احساسات کا صحیح اندازہ کرنے میں بھی بری طرح ناکام ہوئے اور شدھی و سنگھٹن جیسی تحریکیں بھی، ان کی آنکھیں کھولنے میں ناکام رہیں کیا اتنے بڑے کودن لوگوں کو بھی، تجربہ کار، سرد و گرم چشیدہ اور منجھا ہوا سمجھا جا سکتا ہے؟

اور جب ضد اور ہٹ دھرمی کا عنصر بھی، ان کے فکر و عمل میں شامل ہو گیا۔ تو ان کا مخلص اور بے نفس ہونا کب باقی رہا؟

معاف کیجئے گا! آپ نے بھی وہی باتیں دھرا دیں، جو جماعت اسلامی کے حلقوں میں ان بزرگوں کے متعلق کہی جاتی رہتی ہیں اور ان کے تضاد پر غور نہیں فرمایا۔

تنقید و نکتہ چینی کا یہ طریق، ہرگز منصفانہ اور غیر جانب دارانہ نہیں ہے۔ بے شک آپ ان کے نظریات و اقدامات پر اپنے نکتۂ نگاہ کے مطابق کڑی سے کڑی تنقید کریں۔ لیکن تضادِ خیال سے دامن بچاتے ہوئے اور واقعات و حالات کو اپنے اصلی رنگ میں رکھتے ہوئے۔

محترم! تحریک شہیدین کے وارث رجالِ دین نے نہ تو حالات کا رخ سمجھنے میں کوئی غلطی کی اور نہ انہوں نے انگریز دشمنی میں اپنے عقل و حواس کھو دیے تھے کہ سوادِ اعظم کے احساسات کا اندازہ کرنے میں ناکام رہ جاتے اور شدھی و سنگھٹن جیسی تحریکیں بھی ان کی آنکھیں نہ کھولنے پاتیں۔ بات یہ ہے کہ آپ جیسے حضرات ان کے موقف کو تحریک پاکستان اور جماعت اسلامی کی دعوتِ اولیٰ کے پس منظر میں رکھ کر دیکھتے اور اس پر رائے زنی فرماتے ہیں۔ اس لئے متعدد مغالطوں اور تضادات کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اگر ان کے موقف کا برصغیر کے تاریخی حقائق کے تسلسل کے پس منظر میں رکھ کر تجزیہ کیا جائے، تو ہرگز اس قسم کے مغالطے اور تضادات لاحق نہ ہوں۔

درحقیقت یہ لوگ، آخر وقت تک، خدمت اسلام اور استخلاص وطن کی جد و جہد کی

اس راہ پر گامزن رہے، جسے تحریک شہیدین نے اختیار کیا تھا، جو اس سرزمین کی سیاسی، دینی و سماجی تاریخ کے عین فطری تقاضوں کے مطابق تھی۔ یہ دوسری بات تھی کہ اس راہ پر سیاست کا ایک ایسا موڑ بھی آ گیا، جہاں ان کا ہم سفر ہندو بھی ہو گیا۔ کیا وہ اس کی شرکت پہ اس سے سودے بازی کرتے؟ یا ایک صدی سے زیادہ کی اختیار کردہ راہ کو محض ہندو کے شریکِ سفر ہو جانے کی وجہ سے خیرباد کہہ کر دوسری راہ اور دوسری سمت پر چل پڑتے؟

یاد رکھئے! ۱۹۱۶ء میں کیا گیا لکھنؤ کا لیگ کانگریس پیکٹ اور پھر ۱۹۲۶ء کے لگ بھگ، لیگ کانگریس کا ہی ترتیب دادہ ہندو مسلم اتحاد کا فارمولا، ان دشواریوں کی اصل علت ہے جن سے بعد کے زمانہ میں ملتِ اسلامیہ ہند کی سیاست کے اندر پیچیدگیاں پیدا ہوئیں، اور اس کی ذمہ داری رجالِ دین پہ ہرگز عائد نہیں ہوتی۔

یہ بات صحیح نہیں ہے کہ وہ صرف اسی پر اکتفا کئے ہوئے تھے کہ پہلے ہندوؤں کے ساتھ مل کر، غیر ملکی حکمرانوں سے گلو خلاصی کرا لی جائے۔ ہندو مسلم معاملات اس کے بعد طے ہوتے رہیں گے۔ اس امر کو جاننے کے لئے کہ وہ اس سلسلے میں کیا کچھ کرتے رہے۔ امارت شرعیہ بہار اور جمعیۃ علماء ہند کا سارا ریکارڈ ۱۹۱۸ء سے ۱۹۴۷ء تک کا دیکھنا چاہئے۔ اور وزارتی مشن کے منصوبہ کے مضمرات پر نظر ڈالنی چاہئے، نیز ان تجاویز کو پیش نظر رکھنا چاہئے۔ جو مستقبل کے آزاد ہندوستان کی سیاسی ہیئت اجتماعیہ سے متعلق تھیں۔ ان سب کا مطالعہ کرنے کے بعد مجھے امید ہے کہ آپ جیسا بالغ نظر انسان ہرگز یہ نہیں کہے گا کہ ان رجالِ دین کی آنکھوں سے برصغیر میں اسلام اور مسلمانوں کے وسیع ترین مفادات قطعی اوجھل ہو گئے تھے۔

بات یہ ہے کہ اس سرزمین پر، اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کی ایک منزل وہ تھی جس کی طرف تحریک شہیدین اور جماعت مجاہدین کے معنوی و روحانی وارث یعنی رجالِ دین، امتِ مسلمہ کو لے جانا چاہتے تھے۔ ان کی منزلِ مقصود کا پس منظر، ماضی کا وہ ہندوستان تھا، جو کم و بیش ایک ہزار سال تک درۂ خیبر سے راس کماری تک اور خلیج فارس سے بحیرۂ عرب تک علماء و حکماء، صوفیاء و مجاہدین کے قدموں کے آماجگاہ بنا رہا اور جو ملتِ اسلامیہ کی نشاۃ ثانیہ اور اسلام کے اثر و رسوخ کی طرح نو فریق و حریف بننے کے بجائے ہمدرد و رفیق بن کر ڈالنا چاہتے تھے۔ لیکن انگریزی سامراج و استعمار کے مفادات اس کے شدید مخالف بنے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ لیکن یہ ناکامیاں بالاکوٹ

کے وقت سے ہی ان کا مقدر بنتی چلی آرہی ہیں اس میں ان کی کوتاہیوں کا کیا دخل - ایک طاقتور مسلح دشمن اپنے تمام ہتھکنڈوں کے ساتھ مقابل ہے تو ایک بے سر و سامان جماعت اس سے زیادہ اور کیا کر سکتی ہے یہی کافی تھا کہ .....

"مقابلہ تو دلِ ناتواں نے خوب کیا "

البتہ اسلام اور مسلمان کے مستقبل کی ایک دوسری منزل اور بھی سامنے آئی - جو انگریزی اقتدار کی مسلم دشمنی کی وجہ سے نمودار ہوئی - اس منزل کا پس منظر برطانوی حکومت کا نوے سالہ وہ طرزِ عمل ہے، جس نے مسلمانانِ ہند کو زندگی کے ہر شعبہ میں، ہندوؤں اور دوسرے غیر مسلموں کے مقابلہ میں بہت پیچھے چھوڑ دیا تھا، جس کی وجہ سے برصغیر کے مسلمانوں میں ایسی قومی امنگوں کا جوش و خروش پیدا ہوا جس کا اظہار بالآخر تحریک پاکستان کے پیکر کی صورت میں نمودار ہو گیا -

جب سہروردی مرحوم سے لے کر نور الامین صاحب تک کے لوگ اور لاہور کے ایک انگریزی روزنامے کے مشہور و معروف کالم نویس تک اسی بات کے معترف ہیں کہ

"تحریک پاکستان ہرگز ایک مذہبی تحریک نہیں تھی، بلکہ دراصل اس کے پیکر میں (برصغیر کے مسلمانوں کی) صرف قومی امنگوں کا اظہار ہوا تھا "

تو پھر پاکستان کے پس منظر میں، تحریک شہیدین رح اور جماعت مجاہدین رح کے معنوی و روحانی وارثوں و رجال دین کو گھسیٹنا اور ان کے موقف کو اپنے پسند کردہ معانی پہنانا، قطعی ناانصافی ہے -

امید ہے کہ اس عاجز کی درازنفسی، گرانِ خاطر نہیں گزرے گی اور جب کہ آپ ماضی کا بے لاگ تجزیہ کر رہے ہیں - تو اس منتوب طبقے کے بارے میں اس اظہار رائے کو "میثاق" کے صفحات پر شرف پذیرائی بخشنے سے گریز نہیں فرمائیں گے - جس پر دین و ملت کی خدمت کے میدان میں اترنے والے ہر نووارد نے، تنقید و ملامت کے تیر برسانا - اپنا اولین فرض ملی سمجھا -

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ و برکاتہ،

احمد حسین کمال - رحیم آباد، صادق آباد، ضلع رحیم یار خان

تقریظ و تنقید

(۱)

تصوف کے لٹریچر میں دو نئی کتابوں کا اضافہ

"مکتوبات سعیدیہ"

از حضرت شیخ محمد سعید رح ابن امام ربانی مجدد الف ثانی رح سرہندی مرتبہ حکیم عبدالمجید احمد سیفی مجددی نقشبندی مرحوم - ناشر مکتبۂ حکیم سیفی مرحوم، بیڈن روڈ لاہور قیمت ۱۵ روپے صفحات ۲۸۴ سائز ۲۰×۲۶/۸

حکیم سیفی مرحوم کو حضرت مجدد الف ثانی رح اور ان کے فرزندانِ گرامی قدر اعنی خواجہ محمد سعید رح و خواجہ محمد معصوم رح کے مکتوبات کی طباعت اور اشاعت سے غیر معمولی دلچسپی تھی انہوں نے بصرفِ زرِ کثیر، بہترین کاتبوں سے آفسٹ کی طباعت کے لئے کتابت کرائی تھی مگر ان کی وفات کے بعد ان جواہر پاروں کی طباعت اور اشاعت کا مسئلہ معرضِ التوا میں پڑ گیا -

محکمۂ اوقات مغربی پاکستان بلاشبہ تمام علم دوست حضرات کے شکریے کا مستحق ہے جس کی مالی اعانت سے مکتوبات سعیدیہ زیور طباعت سے آراستہ ہو سکے اگرچہ قیمت اتنی زیادہ رکھی گئی ہے کہ شاید ہی کوئی نسخہ فروخت ہو سکے کیونکہ جو لوگ اس زمانے میں عربی اور فارسی جانتے ہیں اور تصوف کا ذوق بھی رکھتے ہیں وہ اس رقم خطیر کے صرف کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے اور جو لوگ استطاعت رکھتے ہیں وہ نہ عربی جانتے ہیں نہ تصوف کا ذوق رکھتے ہیں الا ماشاء اللہ

ایک چیز جو آنکھوں کو کھلتی وہ یہ ہے کہ صفحہ ۱۴۴ تک تو کتابت کا معیار اعلیٰ درجے کا ہے یعنی جیسا آفسٹ کی طباعت کے لئے ہوتا ہے مگر صفحہ ۱۴۵ سے آخر تک کتابت ادنیٰ درجے کی ہو گئی ہے - یہ فرق آنکھوں کو ناگوار معلوم ہوتا ہے - کاغذ بھی سفید کرافٹ ہے مگر قیمت بہت زیادہ ہے اللہ کرے یہ کتابت کی غلطی ہو - اور فی الواقع قیمت اس سے بہت کم ہو!

مکتوبات میں جو مسائل و مضامین بیان کئے گئے ہیں ان کے بارے میں یہ کہنا کافی ہوگا کہ الولد سر لابیہ اکثر اوقات ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی رح کے مکتوبات پڑھ رہے ہیں ان مکتوبات میں پانچ علوم سے اعتنا کیا گیا ہے اعنی منطق، فلسفہ، کلام، الہیات اور تصوف

اس لئے جب تک قاری علوم دینی کے علاوہ ان فنون میں مہارت نہ رکھتا ہو وہ من کل الوجوہ ان گراں بہا مکتوبات سے مستفید نہیں ہو سکتا۔ صاحبِ مکتوبات عربی ادب سے اس قدر شغف رکھتے ہیں کہ بعض مکتوبات فارسی میں شروع کئے ہیں مگر جوشِ طبع اور ممارستِ ادب کی وجہ سے بے ساختہ عربی کی طرف مائل ہو گئے ہیں اور ایک تہائی خطوط خالص عربی زبان میں ہیں اور ان خطوط میں علمی شان کے علاوہ ادبی چاشنی بھی موجود ہے۔ ایسی فصیح و بلیغ عربی لکھی کہ ابن قتیبہ اور مبرد اور جاحظ کی تحریر کا دھوکہ ہوتا ہے۔ اگر پاکستان کی سرکاری زبان یا علمی زبان عربی ہوتی تو ہم بطور تفننِ طبعِ قاری، ایک مکتوب تو ضرور نقل کر دیتے ع

ولیکن قلم در کفِ دشمن است!

مکتوبات میں فلسفہ اور تصوف کے جو مسائل زیر بحث آئے ہیں ان سے قطع نظر کر کے ہم ان مکتوبات کی ایک نمایاں خصوصیت کو پیش کرنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ خواجہ محمد سعیدؒ نے کئی خطوط میں اپنے عہد کے مسلمان فرمانروا سلطان عالمگیر اورنگ زیب کو فضائل صحابۂ کرام سے آگاہ کیا ہے اور ترویج احکام شریعت کی ترغیب دی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ نے بیٹے کو بھی باپ کی سی قوت ایمانی سے نوازا تھا۔ ایک خط میں اورنگ زیب کو لکھتے ہیں "چوں حرف جہاد با اہل بدعت و ضلال درمیان است احادیث چند در فضائل صحابۂ خیر البشر المنزہ عن زیغ البصر علیہ و علی آلہ و صحبہ من الصلوات افضلہا و من التحیات اکملہا کہ کریمۂ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس وکریمۂ محمد رسول اللہ والذین معہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم الی قولہ لیغیظ بہم الکفار مشیرۃ الی ان غائظ علی الصحابۃ رضی اللہ عنہم اجمعین از جرگۂ اسلام خارج اند مرقوم آمد کہ ہویدا گردد کہ مجاہدہ با جماعتے کہ نہ راہ صفا باین برگزیدہ ہا برگزیدہ اند و طریقۂ لعن و طعن باین نجوم ہدایت و کواکب اقتداء اختیار نمودہ اند بلکہ شعار دین خود ساختہ اند از مہمات اسلام است و پرداخت باین فاضل تر از بسیارے از عبادات نافلہ و اجتہاد بیش از بیش مرعی دارند و بشارت گاہ والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا بشاہد۔ عن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ انہ سأل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ای الناس احب الیک؟ قال عائشۃ۔ فقلت من الرجال؟ قال ابوھا۔ فقلت ثم؟ قال عمر بن الخطاب[1] (اھداھا اشیاء)

یہ اس مکتوب کا ابتدائی حصہ ہے پورا مکتوب پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے اور اس زمانے میں اس قسم کے مکتوبات کی اشاعت از بس ضروری ہے۔ کیا ہی اچھا ہو اگر اس مجموعۂ مکتوبات کا اردو میں بھی ترجمہ کر

[1] ترجمہ صفحہ ۵۰ پر ملاحظہ فرمائیں۔

دیا جائے تاکہ دائرہ افادیت وسیع تر ہو سکے ہم اہل علم حضرات سے ان مکتوبات کے مطالعے کی پر زور سفارش کرتے ہیں ان شاء اللہ ان کے مطالعے سے ایمان تازہ بھی ہو جائے گا اور پختہ بھی۔

"تعلیماتِ مجددیہ مکتوبات کے آئینے میں"

مؤلفہ و مرتبہ ملک حسن علی صاحب بی اے (جامعی) صفحات ۴۸۰ قیمت دس روپے

ملنے کا پتہ:- انجمن اشاعۃ التوحید والسنۃ (رجسٹرڈ) شرقپور کلاں ضلع شیخوپورہ

موجودہ دور پر فتن میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تعلیمات کی اشاعت بہت بڑی دینی اور ملی خدمت ہے۔ محترمی ملک صاحب بلاشبہ لائق تحسین ہیں کہ انہوں نے اس مقدس فرض کو نہایت خوش اسلوبی سے ادا کیا ہے بلکہ ہم بصمیم قلب انہیں مبارکباد دیتے ہیں کہ یہ سعادت ان کے حصے میں آئی۔

انہوں نے مکتوبات کے بحر ذخار میں شناوری کر کے جو گوہر ہائے آبدار صیرفیان حقائق و معارف کے لئے نکالے ہیں اور جس خوبی کے ساتھ انہیں پیش کیا ہے۔ اس کی قدر و قیمت کا اندازہ وہی لوگ کر سکتے ہیں جنہوں نے اس قسم کی کوششوں میں اپنی عمر عزیز کا بیشتر حصہ صرف کیا ہو۔

مکتوبات اولاً فارسی زبان میں ہیں اور ان کا ترجمہ معنی خیز نہیں ہے ثانیاً نہایت دقیق مضامین پر مشتمل ہیں ثالثاً عصر حاضر کے افراد ان ضخیم دفاتر کے مطالعے کے لئے وقت نہیں نکال سکتے اس لئے ملک صاحب نے کمال جاں فشانی اور دیدہ ریزی سے ان مکتوبات کے مضامین کو مستقل عناوین کے تحت درج کر دیا ہے۔ مثلاً معرکۂ توحید و شرک۔ موازنۂ شریعت و تصوف۔ سیرت رحمۃ للعالمین ﷺ۔ اسلام میں نماز کا مقام۔ حضرت مجدد کا نظریہ وحدت الشہود۔ مجدد صاحب کا جہاد اہل بدعت کے خلاف۔ دربار جہانگیری کے علماء ارکان اور امراء سے مراسلت۔ مجدد صاحب کا فقہی مسلک۔ مراسم شرک کا استیصال۔ مجدد صاحب کے اوراد و وظائف۔ مصطلحات تصوف مجددی۔ تصوف کی ماہیت۔ فضائل صحابہ کرامؓ وغیرہ

ہمیں فاضل مؤلف سے صرف ایک بات میں اختلاف ہے اور وہ یہ ہے کہ انہوں نے لکھا ہے کہ مجدد صاحب نے شیخ اکبر کے مسلک وحدۃ الوجود کی تردید کی ہے۔ ہماری رائے میں انہوں نے تردید نہیں کی بلکہ اس کی تعبیر ایسے انداز میں کی ہے کہ عوام کی مزلتِ اقدام کی راہ مسدود ہو گئی ہے یعنی حقیقت تو وہی ہے جو شیخ اکبرؒ کا مسلک ہے مگر اس کی تعبیر اس طرح کی ہے کہ غلط فہمی یا گمراہی کا خطرہ باقی نہیں رہا۔ اس دعوے کے اثبات میں ہم قارئین کی توجہ مکتوب ۳۴ دفتر سوم کی طرف مبذول کرتے ہیں۔ اس مکتوب

میں حضرت مجددؒ وہی تعلیم دے رہے ہیں جو شیخ اکبرؒ نے دی ہے۔ فرق صرف تعبیر کا ہے۔ مثلاً شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ کائنات "تجلیٔ اسماء و صفات" کا دوسرا نام ہے اور حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ کائنات "ظلِّ اسماء و صفات" کا دوسرا نام ہے اور بقول شاہ ولی اللہؒ "لا فرق بینهما الا فرقاً ضعیفاً"۔
مکتوب ۵۵ دفتر سوم کی یہ عبارت غور طلب ہے۔

"عالم کا ثبوت مرتبۂ حس و وہم ہی میں ہے نہ کہ مرتبۂ خارج میں۔ خارج میں حق تعالیٰ کی ذات و صفات کے علاوہ اور کوئی شے موجود نہیں اگر اس کی مثال درکار ہو تو نقطہ جوالہ اور دائرۂ موہومہ کی مثال کافی ہے جو اس نقطہ (شعلہ) جوالہ کی گردش پیہم سے مشہود ہونے لگتا ہے۔ حالانکہ ہر شخص بخوبی جانتا ہے کہ دراصل خارج میں اس دائرے کا کوئی وجود نہیں ہے۔ اگر ہاتھ کی حرکت رک جائے تو نقطے کی گردش ختم ہو جائے گی اور اس ختم گردش سے دائرہ معدوم ہو جائے گا کیونکہ دراصل اس کا کوئی وجود خارجی تھا ہی نہیں۔ یہی حال کائنات کا ہے دراصل خارج میں صرف نقطہ موجود ہے (نہ کہ دائرہ) دائرہ تو معدوم ہے خارج میں اس کا نام ہے نہ نشان ہے نہ وجود ہے۔ صرف اتنا ہے کہ دائرے نے مرتبہ حس و وہم میں ثبوت پیدا کر لیا ہے اور اس مرتبے میں بطریق تخیّت اسے ایک نمودِ بے بود حاصل ہو گئی ہے۔"

شیخ اکبرؒ بھی یہی فرماتے ہیں کہ کائنات کا وجود اصلی نہیں ہے بلکہ وہمی یا ظلی ہے۔ اس لئے درحقیقت شیخ اکبرؒ اور شیخ مجددؒ کے نظریات میں کوئی بنیادی اختلاف نہیں ہے صرف تعبیر کا اختلاف ہے۔

فی الجملہ ملک صاحب کی یہ گراں قدر تالیف اردو زبان میں ایک نہایت مفید کتاب ہے جو حضرت مجدد الف ثانیؒ کی تعلیمات کے تمام پہلوؤں کی جامع اور ان کے مکتوبات کی تلخیص ہونے کے اعتبار سے منفرد حیثیت رکھتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ملک صاحب کو اس خالص دینی خدمت کے صلے میں نسبتِ مجددیہ سے حصۂ وافر عطا فرمائے اور تادمِ آخر دین کی خدمت کی توفیق عطا فرمائے۔

(فقیر یوسف سلیم چشتی عفی عنہ)

---

[1] ترجمہ: چونکہ اس وقت اہل بدعت و ضلالت کے خلاف جہاد کی تلقین مدِّ نظر ہے اس لئے حضرت خیر البشر المنذر و من تبع البصر علیہ و علی آلہ و صحبہ من الصلوٰۃ افضلها و من التحیات اکملها کے ان صحابہؓ کے فضائل میں چند احادیث لکھی جاتی ہیں جن کی شان میں اللہ کا یہ فرمانا کہ "اے صحابہؓ! تم بہترین جماعت ہو۔ اور تمہیں انسانوں کی ہدایت کے لئے اس دنیا (بقیہ اگلے صفحہ پر)

(۲)

دینی صحافت کے حلقے میں

دو نئے ماہناموں کا اضافہ

یہ امر باعث مسرت ہے کہ حال ہی میں پاکستان کے مذہبی و دینی جرائد میں دو نئے ماہناموں کا اضافہ ہوا ہے۔ جن میں سے ایک بزبانِ اردو ہے اور دوسرا بزبان انگریزی!

ماہنامہ البلاغ کراچی

زیر سرپرستی: حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہٗ

پتہ: ماہنامہ "البلاغ" — دارالعلوم — کراچی ۱۴

زیر نظر شمارہ (اپریل ۱۹۷۰ء) جو اس نئے دینی ماہنامے کی اشاعت اولیٰ ہے۔ صوری و معنوی دونوں

میں پیدا کیا گیا ہے" اور یہ کہ "محمد (صلعم) اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپؐ کی صحبت سے مستفید ہو چکے ہیں وہ کافروں کے مقابلے میں بہت شدید ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر بہت مہربان ہیں ۔۔۔۔۔۔ تاکہ ان (کی کامیابی) سے کافروں کو جلائے" اسبات پر دلالت کرتا ہے کہ جو لوگ ان سے جلتے ہیں وہ جرگۂ اسلام سے خارج ہیں — تاکہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ ان لوگوں سے جنگ و جدال کرنا جنہوں نے ان برگزیدہ اصحاب کی اقتدار کے بجائے ان پر سب و طعن کا طریق اختیار کر لیا ہے، بلکہ اسی کو اپنے دین کا شعار بنا لیا ہے، مہماتِ اسلام میں سے ہے اور اس جدال و قتال کے لئے غور و پرداخت کرنا بہت سی عبادتوں سے افضل ہے تاکہ اس جناب اس باب میں سب سے زیادہ کوشش ملحوظ رکھیں۔ اور اس بشارت کی طرف تیزی سے قدم بڑھائیں کہ "جو لوگ ہماری رضا حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ہم انہیں (اپنی رضا حاصل کرنے کی) راہیں سجھا دیتے ہیں"۔

حضرت عمرو بن العاصؓ سے روایت ہے کہ میں نے آنحضرت صلعم سے پوچھا کہ "دنیا میں آپؐ کو سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟" آپؐ نے جواب دیا "(حضرت) عائشہ صدیقہؓ سے"۔ پھر میں نے پوچھا "مردوں میں سب سے زیادہ محبت کس سے ہے؟" آپؐ نے فرمایا "ان کے باپؓ سے"۔ پھر میں نے پوچھا "ان کے بعد کس سے؟" آپؐ نے فرمایا "(حضرت) عمر بن الخطابؓ سے" (بخاری و مسلم)

اعتبار سے معیاری ہے۔" اور اگرچہ "افتتاحیہ" کلمات میں حضرت مفتی صاحب نے بدرد درجہ شکوہ کیا ہے کہ "اہل حق گوشہ گیر ہیں، نہ ان کو وہ اسباب و آلات میسر ہیں کہ ان انگینیوں کے حسین لباس میں ظاہر ہو سکیں ۔ ۔ ۔" تاہم "البلاغ" کا زیر نظر شمارہ کسی طرح بھی وسائل و ذرائع کی کمی پر دلالت نہیں کرتا۔ سفید کاغذ پر عمدہ کتابت اور صاف ستھری طباعت —— دینی جرائد کو موجودہ دور میں یہ چیزیں حاصل ہو جائیں تو اور کیا چاہئیے! —— پرچے کا عام انداز حضرت مفتی صاحب کے فرمانے کے مطابق "تبلیغی و اصلاحی" ہے۔ اور مختلف موضوعات پر سادہ اور دل نشین پیرائے میں روشنی ڈالی گئی ہے۔ مفتی صاحب قبلہ چونکہ قلب و حال کی دنیا کے بھی محرم اسرار ہیں لہٰذا "دل کی دنیا" کا بھی ایک مستقل عنوان پرچے میں رکھا گیا ہے۔ اور یہی غالباً اس کا سب سے قیمتی حصہ ہوگا —— بہرحال ہم "البلاغ" کو خوش آمدید کہتے ہیں اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسے دین کی بیش از بیش خدمت کی توفیق دے۔ آمین

THE LIGHT OF ISLAM

زیر ادارت: علامہ علاؤالدین صدیقی

پتہ: مرکز اسلامی، شاہ چراغ، لاہور

انگریزی زبان کے اس نئے دینی ماہنامے کی جو اشاعت برائے تبصرہ موصول ہوئی ہے وہ دسمبر ۶۵ء کی ہے جس سے پرچے کی ابتدا ہوئی تھی۔ اس میں علامہ صاحب نے "بسم اللہ" (IN THE NAME OF ALLAH) کے عنوان سے پرچے اور مرکز اسلامی، شاہ چراغ، لاہور کے اغراض و مقاصد کو بیان کیا ہے۔ چونکہ اس کے بعد کی کوئی اشاعت ہمیں موصول نہیں ہوئی لہٰذا اندیشہ ہے کہ یہ بسم اللہ اوّلہا و آخرہا نہ ہو! زیر تبصرہ شمارے میں علامہ صاحب کے مقالے "ایک قرآن حکیم - نوع انسان کے لئے ہتک" کے موضوع پر اور دوسرا "رمضان - صیام" کے عنوان سے قابل قدر ہیں۔ "عظمت اسلامی" پر بشیر احمد صدیقی صاحب اور "اسلام برصغیر میں" کے موضوع پر امان اللہ خان صاحب کی تحریریں بھی مفید اور معلومات افزا ہیں —— خدا کرے کہ یہ پرچہ جاری ہو اور جاری رہے اور نہ صرف اندرونِ ملک ان لوگوں کو دینی ذہنی غذا فراہم کرتا رہے جو انگریزی ہی میں پڑھنے کے عادی ہو چکے ہیں بلکہ بیرونِ ملک بھی اسلام کی صحیح نمائندگی کا مقدس فرض انجام دے۔ آمین (ا - ا)

دوست

*

مطلب پرست دوست نہ آئے فریب میں
بیشمار ہاتھ بڑھائے ہوئے دام وفا کو میں!

*

دیکھا جو کھا کے تیر کمیں گاہ کی طرف
اپنے ہی دوستوں سے ملاقات ہو گئی!!

*

یاد آتی ہے کسی دوست کی صورت جو کبھی
ایک فہرستِ "عنایات" نظر آتی ہے!

*

حفیظ جالندھری

سے زیادہ اور کچھ نہیں! حقیقتِ دینی اور روحِ ایمانی سے ان کی ایک بہت بڑی اکثریت تہی دستِ محض ہے اور اسلام کے بنیادی اعتقادات کو ماننا ان کے نزدیک دراصل صرف کچھ سماجی و تمدّن ضرورتوں کی بنا پر ہے! ان کی حقیقت کا ادراک تو بہت دُور کی بات ہے۔ اس کی کسی ضرورت کا احساس تک ان کو حاصل نہیں۔ دین جس زندگی کو اصلِ حیات قرار دیتا ہے اس کی اہمیت ان کے نزدیک ایک تتمّہ سے زیادہ نہیں اور حیاتِ دنیوی جس کی دین میں کوئی وقعت نہیں وہ ان کے غور و فکر کا اصل موضوع اور ان کی سعی و جہد کا اصل محور ہے۔ حتیٰ کہ جو چیزیں دین میں "عماد" کا درجہ رکھتی ہیں ان سے بھی ان کا شغف بس واجبی سا ہے —— اور وہ بھی باید و شاید! —— حد یہ ہے کہ ایک بہت ثقہ راوی کی روایت کے مطابق ایک بہت بڑے داعی دین اور علمبردار اسلام کے نزدیک

"اسلام دراصل ایک سیاسی و تمدنی نظام (POLITICO-SOCIAL SYSTEM) ہے جس پر الٰہیات کا پردہ ڈال دیا گیا ہے ۔ ۔ ۔ ۔!"

اناللہ وانا الیہ راجعون! ؎

گر ہمیں مکتب و ہمیں مُلّا
کارِ طفلاں تمام خواہد شد!!

اور آگے بڑھیے —— مذہبیت کا ایک عمومی ڈھانچہ جن لوگوں کے دم سے قائم ہے وہ اکثر و بیشتر تجارت پیشہ طبقے کے کچھ مذہبی لوگ ہیں جو مسجدیں تعمیر کرتے اور انہیں آباد کرتے ہیں۔ مدارس قائم کرتے اور انہیں چلاتے ہیں اور مساجد و مدارس کے اہتمام و انتظام کا سارا بوجھ برداشت کرتے ہیں! ان میں سے جو زیادہ دین دار ہوتے ہیں وہ خود نمازیں پڑھتے، زکوٰۃ دیتے اور حج کرتے ہیں۔ لیکن ان کے ذرا قریب ہو کر دیکھئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کی ایک بہت بڑی اکثریت کے یہاں آمد و خرچ کے معاملے میں حلال و حرام کی تمیز یکسر ختم ہو چکی ہے۔ سودی کاروبار ہنئیاً مریئاً ہوتا ہے اور جھوٹ سچ کا کوئی فرق کاروبار میں نہیں کیا جاتا! حتیٰ کہ ایک صوفی منش بزرگ نے پچھلے دنوں بڑے کرب و تاثر کے ساتھ فرمایا کہ —— "پورے پاکستان میں شاید کوئی ایک مسجد بھی ایسی نہ ملے جو خالص حلال ذرائع سے کمائے ہوئے روپے سے تعمیر کی گئی ہو!" —— اس پر مستزاد یہ کہ ان مساجد و مدارس میں جو دھڑا بندی کے حصول اور اس کو برقرار رکھنے کے لئے ہر قسم کے جوڑ توڑ ہوتے ہیں اور جو سازشیں کی جاتی ہیں۔ ان کے سامنے میدان

سیاست کے جوڑ توڑ ہی میں شریک ہو کر رہ جائیں !

علماء کے طبقے کو دیکھئے ——— تو اگرچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ دین جیسا کچھ اور جتنا کچھ آج موجود ہے وہ انہی کے دم سے اور انہی کی کوششوں کی بدولت ہے —— اور یہ بھی حقیقت ہے کہ اس حلقے میں کہیں کہیں علم و عرفان کی شمعیں بھی روشن ہیں ، اور ایمان و ایقان کی مشعلیں بھی ——— اور ابھی ایسے لوگ موجود ہیں جو اصحاب علم بھی ہیں اور ارباب عمل بھی ، جن کی گفتار قلوب میں گداز پیدا کرنے والی اور کردار لوگوں کے لئے عزیمت کا سامان مہیا کرنے والا ہے ——— لیکن یہ بھی ایک دردناک حقیقت ہے کہ اس قسم کے لوگوں کی تعداد آٹے میں نمک کے برابر ہے اور علماء کی اکثریت کا یہ حال ہے کہ نہ دلوں میں ایمان کی شمع ایسی روشن ہے کہ ماحول کو منور کر سکے — نہ اخلاق و اعمال اس درجے کے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں گھر کر سکیں ۔ تعلیم و تعلّم اور درس و تدریس ان کی ایک بڑی اکثریت کا پیشہ بن کر رہ گیا ہے اور بڑے بڑے دارالعلوموں میں یہ افسوسناک اور تکلیف دہ صورت حال نظر آتی ہے کہ پیشہ ورانہ چشمک اور رقابت و حسد ——— اور آپس کے جھگڑوں اور مناقشوں کے اعتبار سے وہ خالص دنیادار اداروں سے کسی طرح مختلف نہیں ! رہی یہ کمی کہ ان کی ایک بڑی اکثریت موجودہ دنیا کے علوم و فنون سے بیگانۂ محض ہے ۔ تو اس کا ذکر تحصیل حاصل ہے ! اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ علماء کا اثر معاشرے کے طبقہ متوسط کے بھی صرف نصفِ اسفل تک ہی پہنچ پاتا ہے اور موجودہ معاشرے میں ان کی حیثیت زندگی کی اصل منجدھار سے کٹی ہوئی ایک علیحدہ شاخ سے زیادہ کچھ نہیں ! ———

ان تلخ حقائق کو پیش نظر رکھ کر خدارا سوچئے کہ کیا محض اس دلیل سے کہ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا تھا ؟ یہاں اسلام قائم ہو جائے گا یا سیاسی میدان میں اسلام کا نعرہ لگانے سے اسلامی انقلاب برپا ہو جائے گا ؟ یا محض عوام کے مذہبی جذبات کے اشتعال سے مغربی تہذیب و ثقافت کی یلغار رک جائے گی ؟ یا محض منفی مدافعت و مخالفت سے دین میں تحریف کا سلسلہ ختم ہو جائے گا ؟ ——— اپنے اس طرز عمل کے لئے لاکھ دلائل پیش کر دیجئے ، سینکڑوں خوشنما تاویلات گھڑ لیجئے ——— صورتِ واقعہ یہ ہے کہ آج بیس سال سے ایک فعال مذہبی و سیاسی جماعت اور طبقۂ علماء کے سیاسی مزاج بزرگ اس طریق کار پر عمل پیرا ہیں لیکن حالات ہیں کہ روز بروز خراب سے خراب تر ہوتے چلے

جا رہے ہیں ۔ بزعم خویش کوئی کتنا ہی الحاد و بے دینی اور فحاشی و بے حیائی کے سیلاب کے آگے بند باندھ کھڑا ہو واقعہ یہ ہے کہ نہ الحاد و بے دینی کے سیلاب میں کوئی کمی آئی ہے نہ فحاشی و بے حیائی کے ۔ البتہ اس فعال دینی جماعت کا جو سیاست کے میدان میں مذہب کی علمبردار بن کر اتری تھی یہ حشر ضرور دیکھنے میں آیا کہ رفتہ رفتہ اس کی مذہبیت تو تحلیل ہو کر ختم ہوتی چلی گئی ۔ اور نری سیاسیت باقی رہ گئی ۔ تا آنکہ اب اس کے نزدیک پاکستان میں اسلام کے مستقبل کا سارا دارومدار اس پر رہ گیا ہے کہ یہاں انتخابات بلاواسطہ بحال اور پارلیمانی جمہوریت کا نظام بحال کر دیا جائے ——— فاعتبروا یا اولی الابصار !

ہماری قومی زندگی کا دھارا پورے زور شور سے ایک خاص سمت میں بہہ رہا ہے ۔ اور تا حال مذہبی طاقتیں اس پر کسی قسم کا کوئی اثر ڈالنے اور اس کے رخ کو تبدیل کرنے میں ناکام رہی ہیں ۔ دوسری طرف ملکی حکومت کو ہر آن نئی مشکلات و مسائل کا سامنا ہے ۔ اور بین الاقوامی سیاست کے بدلتے ہوئے رنگ اور بڑی طاقتوں کی بدلتی ہوئی حکمت عملی سے صاف اندازہ ہو رہا ہے کہ مستقبل قریب میں پاکستان کو اپنی سالمیت کے تحفظ کے لئے بڑی کٹھن مشقت و ریاضت کرنی ہوگی ۔ اور بڑے نامساعد حالات سے گزرنا ہوگا ۔ ان حالات میں اس بات کا شدید خطرہ ہے کہ اگر مذہبی حلقوں کی نری سیاسی نعرہ بازی اور محض منفی مدافعت و مخالفت کی حالیہ روش برقرار رہی اور کوئی زبردست مثبت دینی دعوت ایسی نہ اٹھی جو ذہنوں کو مفتوح اور قلوب کو مسخر کر سکے تو کسی مشکل وقت میں اعصاب کا تناؤ ایسی صورت پیدا نہ کر دے کہ پھر اسلام کا نام لینا بھی مشکل ہو جائے ——— !

اسی اہم خطرے کی نشان دہی کے لئے ہم نے یہ طویل معروضات پیش خدمت کی ہیں ۔ اور تاریخی پس منظر کو سامنے رکھ کر موجودہ صورتِ حال کا تجزیہ کیا ہے ، خدا شاہد ہے کہ اس سے ہمارا مقصد نہ کسی کی دلآزاری ہے نہ توہین و تنقیص ، البتہ کچھ تلخ حقائق کا مشاہدہ بعض اوقات تلخ نوائی پر منتج ہو ہی جاتا ہے ۔ ہم درخواست کرتے ہیں کہ اس پر ہمیں معذور سمجھا جائے ! اور ہماری گذارشات پر ٹھنڈے دل سے غور کیا جائے ۔ ———

اقول قولی هٰذا واستغفر اللہ ربّ العٰلمین ۝

> اسی موضوع پر 'بینات' کراچی اور 'الرحیم' حیدر آباد کا نقطۂ نظر صفحہ ۳۵ پر 'افکار و آراء' کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں !

محمد منوّر

غزل

تمام اپنی کسی طور داستاں نہ ہوئی
ہزار بار سنائی مگر بیاں نہ ہوئی

نہ کوئی سازو نوا ، اور نہ کوئی شعر و غزل
کوئی زباں دلِ حیراں کی ترجماں نہ ہوئی

ترے جنوں میں مرے سوز و درد کی رُوداد
قبولِ خاطرِ دیوانگاں کہاں نہ ہوئی

رہا نہ طبع کو دردِ جہانیاں سے دریغ
مگر موافقِ طبعِ جہانیاں نہ ہوئی

ہزار وضع کیے احتیاط کے اسلوب
ادا تھی کون سی ان کی جو داستاں نہ ہوئی

اُنہیں بھلا کے ہو شاید قرارِ جاں حاصل
کہ ان کی یاد تو وجہِ قرارِ جاں نہ ہوئی

ہے دوست کون سا بخشی نہ جس نے درد کی لے
دعا ہے کون سی جو نذرِ دوستاں نہ ہوئی

ہم سے طلب فرمائیے

★

تصانیف

مولانا امین احسن اصلاحی

★

تفسیر آیت بسم اللہ و سورۂ فاتحہ

بڑا سائز ، صفحات : ۳۶
ہدیہ : ۷۵ پیسے

★

دعوت دین اور اس کا طریق کار

صفحات: ۳۱۲ ، قیمت : ۳٫۷۵ روپے

★

تزکیہ نفس

صفحات: ۴۴۳ ، قیمت : ۶٫۰۰ روپے

★

اسلامی قانون کی تدوین

صفحات : ۱۶۰ ، قیمت : ۳ روپے
سستا ایڈیشن : ۲ روپے

★

عائلی کمیشن رپورٹ پر تبصرہ

صفحات : ۱۲۸ ، قیمت : ۲٫۲۵ روپے

★

تصانیف

مولانا حمیدالدین فراہی رح

★

مفردات القرآن

قیمت : ۱٫۳۰ روپے

★

جمہرۃ البلاغہ

قیمت : ۱٫۵۰ روپے

★

اسباق النحو

حصہ اول : ۱٫۳۰ روپے
حصہ دوم : ۱٫۰۰ روپے

★

امثال
آصف الحکیم

قیمت : ۱٫۳۷ روپے

تحریک جماعت اسلامی
ایک تحقیقی مطالعہ
تالیف
ڈاکٹر اسرار احمد - ایم اے - ایم بی بی ایس
سابق ناظم اعلیٰ اسلامی جمعیت طلبہ پاکستان و امیر جماعت اسلامی منٹگمری
★ ضخامت - ۲۳۶ صفحات ★ سائز بڑا ★ طباعت آفسٹ ★ مجلد مع گردپوش
★ قیمت - ۴ روپے علاوہ محصول ڈاک